کلامِ نبوت

جلد دوم

مع ترجمہ وتشریح

مرتّبہ

محمد فاروق خاں

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

کلامِ نبوت جلد اول میں عقائد اور ایمانیات سے متعلق احادیث کا انتخاب اور ان کی تشریح پیش کی گئی ہے۔ کلام نبوت جلد دوم میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ عبادات سے متعلق منتخب احادیث اور ان کی شرح پیش کی جارہی ہے۔ شرح میں عبادات کی اصل روح اور اسپرٹ کو خاص طور سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدائے رب العزت کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اس کے آگے سرِ نیاز خم کریں۔ اپنی زندگی میں خدا کی یاد اور اس کے ذکر کو اصل اہمیت دیں۔ اخلاق و سیرت اور روحانی زندگی کی تعمیر اور تکمیل خدا سے تعلق کے بغیر ممکن نہیں۔ جس طرح ہمارے جسمانی وجود کی بقا کے لیے سانس لینا ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح اپنے اخلاقی و روحانی وجود کے لیے اللہ پر ایمان اور اس کی حضوری کی کیفیت ضروری ہے اس کے بغیر زندگی بے مایہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ نماز کو دین کا رکن قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے رب سے ہماری وابستگی ہو اور یہ وابستگی برقرار رہے۔

جس طرح خدا نے ہمیں وجود بخشا ہے، ہمارا مال بھی اسی کا عطا کردہ ہے۔ اسے ہم صرف اپنی ذات پر ہی نہیں بلکہ خدا کی راہ میں بھی خرچ کریں۔ ہمارا مال ہمارے ہی نہیں خدا کے مجبور و بیکس بندوں کے بھی کام آئے۔ روزہ ہمارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کرتا ہے۔ حج ہمارے اندر حق سے گرویدگی پیدا کرتا ہے اور ہمیں آفاقی فکر عطا کرتا ہے۔ اور ہمارے اندر ایک والہانہ جذبہ پیدا کرتا ہے تاکہ ہماری زندگی بے کیف ہو کر نہ رہے، حج حشر کا جیتا جاگتا منظر ہمارے سامنے لاتا ہے، جب محشر میں ساری انسانیت ایک ساتھ جمع ہوگی۔

اسلامی عبادات اس لیے مشروع ہوئی ہیں کہ ہم فکر و نظر، جذبات و کیفیات اور کردار کی اس بلندی اور پاکیزگی کو حاصل کرسکیں جو آدمی کو خدا کی دائمی نوازشات، اس کی رحمتوں اور قرب کا مستحق بناتی ہے۔

خاکسار
محمد فاروق

ابتدائیہ

ہمارا وجود اور ہماری زندگی اصلاً خدا کی عظیم و محبوب ہستی سے وابستہ ہے، اس لیے اس کی اطاعت و عبادت کی قدر و قیمت غیر معمولی ہے۔ خدا کی آرزومندی اور رضا جوئی متاعِ بے بہا ہے۔ اس کے ذریعہ سے بندہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اور اس کی بے پایاں نوازشیں اور رحمتیں اس کے حصے میں آتی ہیں۔ خدا نے جس طرح اپنے جمال و کمال کے ذریعہ سے اس کی تخلیق کی ہے اسی طرح وہ اپنے جمال و کمال کے ذریعہ سے بندے کو وہ مقام بلند عطا فرماتا ہے جس کا کامل اظہار بندے کی آخرت کے ذریعہ ہوگا۔

یہ مقامِ بلند اور تکمیل زندگی بندگیِ رب کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے خدا نے فرمایا تھا کہ فرعون کے پاس جاؤ جس نے سرکشی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اس سے کہو کہ اس چیز نے اس کی شخصیت کو مجروح کر رکھا ہے، کیا وہ چاہتا ہے کہ اس کی شخصیت کی صحیح تعمیر ہو اور وہ ہلاکت سے محفوظ ہو سکے۔ اور وہ زندگی کی اصل مطلوب شے کو حاصل کر سکے یعنی ایسی زندگی جس میں خدا سے بے گانگی نہیں پائی جاتی۔ خشیت الٰہی اور خدا کی عظمت کا احساس زندگی کے سب سے بڑی آگہی ہے۔ اس آگہی کا بدل تخت و تاج ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا طلبی کے بغیر زندگی نحوست اور وحشت سے پاک نہیں ہو سکتی۔

انسانی زندگی کا مقصد تکمیل حیات ہے۔ اس تکمیل کا حصول اسی طرح ممکن ہے کہ انسان اس طریق حیات کو اختیار کرے جو خدا نے اس کے لیے متعین کیا ہے۔ زندگی اپنے اندر

بڑی وسعت رکھتی ہے۔ اس کے دائرے میں اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی اموروغیرہا سبھی شامل وداخل ہیں۔

پھر انسان صرف مادّی وجود نہیں رکھتا۔ انسان کے بہترین جذبات واحساسات کی شرح مادّی نقطۂ نظر سے ممکن نہیں خواہ ان جذبات واحساسات کا تعلق اخلاق سے ہو یا روحانیت اور صداقت سے ہو۔ انسانی فطرت بقااور دوام چاہتی ہے جبکہ مادّہ پرست فوری جلب منفعت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

اسلام کے پیش کردہ نظامِ زندگی اور تصور عبادت انسان کو زندگی کی دائمی قدروں سے آشنا کرتا ہے۔ انسان کے لیے لازوال حیات مقدر ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے اس کا استحقاق ثابت کردے۔ اسلامی طریق عبادت میں بڑی جامعیت اور وسعت پائی جاتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے انسان کی جو ذہنی اور فکری تربیت ہوتی ہے وہ غیر معمولی ہے۔ انسان اپنے آخری تجزیہ میں لطافت احساس کا نام ہے۔ یہی لطافتِ احساس اسے جذبۂ عبودیت سے ہم کنار کرتا ہے۔ اور خدا کے لیے کامل حوالگی اور سپردگی انسان کا شعار بن جاتا ہے۔ خدا کا بے پایاں احسان اس کے اندر جذبۂ شکر پیدا کرتا ہے۔ یہی جذبۂ شکر ہے جس کا اظہار ایمان کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہی احساس لطافت انسان کو دوسروں کا ہمدرد اور غم گسار بناتا ہے۔

خدا کا حق ہے کہ ہم اس کے آگے سر نیاز خم کردیں اور اس کے اطاعت گزار بندے بن کر رہیں۔ اسی کا اظہار نمازوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ خدا کے بندوں کا حق یہ ہے کہ ہم انھیں بے چارگی کی حالت میں نہ چھوڑیں۔ خدا نے ہمیں مال دیا ہے تو ہم اسے دینِ حق کے فروغ کے لیے بھی خرچ کریں اور اس کے ذریعہ سے ہم مسکینوں اور محتاجوں کے بھی کام آئیں۔ روزہ ہمارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کرتا ہے۔ اور ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ زندگی صرف اکل وشرب اور جنسی خواہش کی تسکین نہیں ہے۔ زندگی اپنے اندر کچھ اور معنیٰ بھی رکھتی ہے۔

حج حق سے انتہائی گرویدگی اور وارفتگی کا مظہر ہے۔ یہ خدا کی جناب میں حاضری ہے۔ یہ مومنانہ زندگی کا نقطۂ عروج (Climax) ہے۔ نمازیں ہم اللہ اکبر کہہ کر داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم احرام باندھ کر بیت اللہ کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کا طواف اپنے رب

سے انتہائی گرویدگی کا اظہار ہے۔ حجر اسود کا بوسہ تجدید عہد بندگی ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا جذبۂ جہاد کو پروان چڑھاتا ہے۔ جمرات پر رمی یا کنکری مارنا ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کو یاد دلاتا ہے جو کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے حملہ آور ہوا تھا۔ رمی سے یہ یقین راسخ ہوتا ہے کہ خدا ہمارا زندہ خدا آج بھی اپنے دین اور اپنے پرستاروں کا ناصر اور مددگار ہے۔ قیام عرفات ایک عالمی اجتماع ہے۔ یہ یوم حشر کا منظر بھی پیش کرتا ہے۔ حج ہمارے اندر ایسا والہانہ جذبہ ابھارتا ہے اسلامی زندگی میں جس کی قدر و قیمت کا انکار کسی کو نہیں ہو سکتا۔

ﷺ

عبادات وروحانیات

اسلامی عبادات

انسان کو ہمیشہ ایک ایسے معبود کی تلاش رہی ہے جس کو وہ اپنا مقصودِ حیات اور اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز قرار دے سکے، جس کے آگے وہ اپنے جذبۂ عبودیت کا اظہار کر سکے۔ معبود کی تلاش و جستجو میں انسان نے طرح طرح کی ٹھوکریں کھائیں اور وہ مختلف قسم کی فکری و عملی گمراہیوں میں مبتلا ہوتا رہا لیکن اس کے باوجود وہ کبھی بھی اپنے جذبۂ عبودیت اور اپنے اندر پائے جانے والی اس خلشِ مبہم کو جو ایک معبود کو پالینے کے بعد ہی دور ہو سکتی تھی، کبھی فنا کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ انسانوں کی صحیح رہنمائی کی۔ انھوں نے بتایا کہ انسان کا معبود صرف خدا ہے جو اس کائنات کا رب اور خالق ہے۔ ہر نبی کا پیغام یہی تھا:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (الاعراف:۵۹)

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔''

خدا کے آخری رسول ﷺ نے بھی دنیا کو یہی دعوت دی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ (البقرہ:۲۱)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔''

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا کہ عبادت ہی انسان کی پیدائش کی اصل غرض و غایت ہے۔ جو زندگی خدا کی طاعت و عبادت نہ بن سکی وہ ضائع ہوگئی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات:۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

'عبادت' کا لفظ اپنے اندر مفہوم کی بڑی وسعت رکھتا ہے۔ عبادت کے اصل معنی ہیں

عجز و نیاز، تذلّل، انتہائی حد تک پست ہوجانا، بچھ جانا، پھر اس میں محبت، پرستش اور طاعت و بندگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اسلام میں عبادت کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ اللہ کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ کا پرستار ہو، اسی کے آگے سر جھکائے، اسی کو سجدہ کرے، اپنے بہترین جذباتِ عبودیت کو اسی کے حضور میں پیش کرے اور اپنی پوری زندگی اسی کی اطاعت اور بندگی میں گزارے، زندگی کے کسی شعبہ کو خدا کی اطاعت سے مستثنیٰ قرار نہ دے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں خدا ہی کا مطیعِ فرمان ہو، سیاست، معاشرت اور معیشت وغیرہ زندگی کے ہر میدان میں خدا کے دیے ہوئے احکام کی پیروی کرے یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا، لوگوں سے ملنا جلنا، سونا جاگنا سب کچھ خدا کے حکم اور اس کی مرضی کے مطابق ہو۔ اس طرح پورے دین کی پیروی عبادت میں شامل ہے۔ کسی فریضہ کے ادا کرنے کے بارے میں بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ عبادت میں شامل نہیں ہے۔

نظامِ دین میں ارکانِ اسلام: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان ارکان کا تعلق اپنے ظاہر اور باطن دونوں لحاظ سے براہ راست خدا سے ہے۔ انسان کے اندر عبدیت کی روح بیدار کرنے اور بندگی کا ذوق پیدا کرنے میں ارکانِ اسلام کا بڑا دخل ہے۔ انھیں دین میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ انھی ارکانِ اسلام پر درحقیقت دین کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہ گویا ایسی مخصوص و ممتاز عبادتیں ہیں جن کے ذریعہ سے آدمی کے اندر وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ اپنی پوری زندگی خدا کی عبادت اور بندگی میں گزار سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر نماز، روزہ اور حج ہی کو عبادت کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت میں دین کا کوئی جزء بھی عبادت سے الگ نہیں ہے۔

عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنا شرک ہے، شرک اور غیر اللہ کی پرستش کو کتبِ قدیمہ میں واضح طور پر زنا اور بدکاری سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ۝ (الحج:۳۱)

''جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر چاہے اس کو پرند اچک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز مقام پر (لے جا کر) پھینک دے۔''

اسلام زندگی کی تکمیل کا واحد راستہ ہے۔ اسی کے ذریعہ سے منشائے فطرت تک ہماری رسائی ممکن ہے۔ خدا کی رحمت کے آثار اور اس کی نشانیاں زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ خدا اپنی عنایات اور رحمتوں کو ہمارے ارادہ و اختیار کی دنیا تک وسیع کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیں آدابِ زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ ہماری زندگی کو پاکیزگی اور بالیدگی عطا فرماتا ہے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جس سے اس عنایتِ خاص کی توقع کی جائے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ (یونس:۳۵)

''ان سے کہو کہ کیا ان میں جنھیں تم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے؟ کہو حق کی طرف تو صرف اللہ رہنمائی فرماتا ہے۔''

خدا کی طاعت و عبادت کے بغیر انسانی زندگی کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ خدا کی بندگی اور عبادت کے بغیر زندگی حقیقی معنویت سے محروم رہتی ہے۔

8003

نماز

انسان خدا کا بندہ اور غلام ہے۔ خدا ہی اس کا خالق، رب اور الٰہ ہے۔ خدا کو اپنا رب اور معبود ماننے کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنی زندگی خدا ہی کی اطاعت اور بندگی میں بسر کرے۔ اسی کے دیئے ہوئے احکام کو اپنی زندگی کا قانون بنائے۔ اسی کے آگے سر جھکائے۔ اسی کے آگے سجدہ ریز ہو۔ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے۔ نماز حقیقت میں خدا کی عبادت اور اس کی پرستش کا کامل طریقہ ہے۔ نماز میں بندہ بار بار خدا کے سامنے حاضر ہوتا اور اس کے آگے اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنے کا عہد کرتا ہے۔ اس سے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہے۔

خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کو پہچاننا اور انھیں ادا کرنا یہی دین کا حاصل ہے۔ نماز اور زکوٰۃ، اسلام کے دو ایسے بنیادی رکن ہیں جو ان دونوں حقوق کے محافظ اور انسان کو راہِ راست پر قائم رکھنے کے ضامن ہیں۔ نماز اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک حسیّاتی عمل ہے۔ نماز درحقیقت خوف وخشیت اور محبت و اِنابت کے ساتھ خدا کی طرف مائل اور اس سے قریب ہونے کا نام ہے۔ نماز میں بندے کو خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ نماز ہمارے ایمانی شعور کا اولین فیضان ہے، نماز درحقیقت اپنے دل، زبان اور جسم کے ذریعہ سے اپنے رب کے سامنے اپنی بندگی اور عبودیت اور اس کی بڑائی اور عظمت کا اظہار ہے۔ نماز خدا کی یاد، اس کے احسانات کا شکر اور حسنِ ازل کی حمد اور تسبیح ہے۔ یہ سازِ دل کا نغمہ، بے قرار رُوح کی تسکین، فطرت کی پکار اور ہماری زندگی کا ماحصل ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے نماز کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

اِعْلَمْ اَنَّ اَصْلَ الصَّلٰوۃِ ثَلٰثَۃُ اَشْیَاءَ اَنْ یَّخْضَعَ لِلّٰہِ بِقَلْبِہٖ وَ یَذْکُرُ اللّٰہَ بِلِسَانِہٖ وَ یُعَظِّمَہٗ غَایَۃَ التَّعْظِیْمِ بِجَسَدِہٖ۔

(حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد دوم)

انتہائی محبت جس میں انتہا درجہ کی عاجزی اور تذلّل ہو، خدا کے سوا کسی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ یہ صرف خدا کا حق ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس کے آگے بالکل پست کر دے اور اپنے تمام احساسات اور جذبات کو اس کے حضور پیش کر دے۔ کبھی کبھی حضور ﷺ پر نماز میں رقّت طاری ہو جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نماز میں ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔(۱) آپؐ کا ارشاد ہے: نماز دو دو رکعت کر کے ہے اور ہر دو رکعت میں تشہد ہے اور تضرع وزاری ہے، خشوع و خضوع ہے، عاجزی اور مسکنت ہے اور ہاتھ اٹھا کر یارب، یارب! کہنا ہے، جس نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز ناقص رہی۔(۲)

نماز ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ نماز نہ صرف انسان کی بلکہ تمام موجودات کی فطرت ہے۔ اس کے بغیر کسی مخلوق کے وجود و بقا کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کا بیان ہے کہ پوری کائنات خدا کی تسبیح میں مصروف ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَ تَسْبِیْحَہٗ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ م بِمَا یَفْعَلُوْنَ o (النور:۴۱)

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ پر پھیلائے پرندے بھی (اس کی تسبیح کرتے ہیں) ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح سے واقف ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

قرآن میں نماز کے لیے ’صلوٰۃ‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عربی میں صلوٰۃ کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف بڑھنا اور اس میں داخل ہو جانا۔ صلوٰۃ کے اندر انتہائی قرب کا مفہوم پایا جاتا

---

(۱) ترمذی، ابوداؤد (۲) ابوداؤد

ہے۔نماز کامل اشتیاق کے ساتھ خدا کی جانب متوجہ ہونے کا محبوب عمل ہے۔انابت الی اللہ نماز کی اصل روح ہے۔انابت کے معنی ہیں پورے دل سے خدا سے محبت کرنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا[1] خدا کے لیے ایک فطری طلب ہر دل میں پائی جاتی ہے۔انسان جس طرح رزق حاصل کرنے میں خدا کی عنایات کا محتاج ہے اس سے کہیں زیادہ وہ حقیقی تسکین واطمینان کے لیے خدا کی عبادت اور اس کی پرستش کا ضرورت مند ہے۔نماز بندہ اور خدا کے درمیان تعلق وارتباط کا کامل ذریعہ ہے۔نماز کے ذریعہ سے انسان کو خدا کی بارگاہ میں رسائی حاصل ہوتی ہے اور اس کی آخری تمنا پوری ہوتی ہے۔نماز میں اسے اس کا موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے بہترین جذبات و احساسات کو خدا کے حضور پیش کر سکے اور اس سے اس کی عنایات کا طالب ہو۔چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں: قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ ''میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' نماز سے رغبت اس بات کی علامت ہے کہ بندے نے خدا کو اپنی ساری توجہات کا مرکز بنا لیا اور اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کر لیں۔ایسا شخص خدا کا مقرب ہوتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کو جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد بھی مسجد میں لگا رہتا ہے اس بات کی بشارت دی گئی ہے کہ خدا اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔

اپنی زندگی میں نماز کو شامل کرنا درحقیقت خدا کو اپنا سرپرست بنانا ہے۔نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے قصداً نماز ترک کر دی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔'' جو اللہ کی حفاظت اور سرپرستی سے محروم ہو جائے اسے تباہی اور ہلاکت سے کون بچا سکتا ہے۔نماز اپنی اہمیت کی وجہ سے کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتی۔اگر کوئی کھڑا ہو کر نہیں ادا کر سکتا تو بیٹھ کر ادا کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو لیٹ کر ہی ادا کرے، اگر منھ سے نہ بول سکے تو اشاروں سے ادا کرے[2] اور اگر مجبوری کی وجہ سے رک کر ادا نہیں کر سکتا تو چلتے ہوئے ادا کرے[3] اور اگر سخت خوف کی حالت میں سواری پر ہے تو جس طرف موقع ہو اسی رخ ادا کرے[4]

پھر نماز انھی قدیم ارکان اور فطری شکل وصورت کے ساتھ مشروع ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔انسائیکلوپیڈیا کے مرتبین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا

---

(۱) الفوائد لابن القیم۔صفحہ ۱۹۵۔ (۲) دارقطنی بروایت موقوف۔ (۳) ابوداؤد۔باب صلوٰۃ الطالب۔

(۴) بخاری۔

ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اسلامی نماز اپنی ترکیب میں بڑی حد تک یہودیوں اور عیسائیوں کی نماز سے مشابہت رکھتی ہے۔'' (جلد ۴ صفحہ ۹۶ مضمون صلوٰۃ)

نماز پانچ وقت کی فرض کی گئی ہے۔ اس طرح ہمارے تمام اوقات کو نماز سے گھیر دیا گیا ہے تاکہ ہم خدا سے کسی وقت بھی غافل نہ ہوں اور ہماری پوری زندگی خدا کی یاد بن جائے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ: ۱۴) ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

پھر قرآن کو بھی نماز کا ایک لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الفاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ نماز میں قرآن کو شامل کر کے قرآن کی حکمت، بصیرت اور اس کی برکتوں کو بھی نماز میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ قرآن کے احکام و ہدایات کی یاددہانی بھی نماز میں ہوتی رہتی ہے۔

نماز حشر میں خدا کے حضور کھڑے ہونے کی کامل تصویر ہے۔ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس دن کو یاد کرتا ہے جب وہ آخرت میں خدا کے سامنے حاضر ہوگا۔ نماز میں، ہم خدا کی طرف لپکتے اور صف بستہ ہو کر اس کی حمد کرتے ہیں۔ حشر کے دن بھی ہماری یہی کیفیت ہوگی۔ اس دن خدا ہمیں پکارے گا تو ہم اس کی حمد کرتے ہوئے قبروں سے نکل کر اس کی طرف دوڑ پڑیں گے۔(۱)

حق کی راہ میں باطل سے لڑنا اور اس کے لیے ہر وقت تیار رہنا مسلمان کا فرض ہے۔ نماز اس تیاری کا نقشہ بھی پیش کرتی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ اللہ کو دو صفیں بے حد محبوب ہیں۔ ایک نماز کی صف اور دوسرے میدانِ جہاد میں مجاہدین کی صف۔ نماز اور جہاد میں بعض پہلوؤں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے:

کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ جُیُوْشُہٗ اِذَا عَلَوُا الثَّنَایَا کَبَّرُوْا وَ اِذَا هَبَطُوْا سَبَّحُوْا فَوُضِعَتِ الصَّلٰوۃُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ (ابوداؤد)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر جب پہاڑی پر چڑھتے تو تکبیر اور جب نیچے اترتے تو تسبیح کرتے تھے۔ نماز اسی طریقہ پر قائم کی گئی۔''

---

(۱) سورۂ بنی اسرائیل: ۵۲

نماز میں نمازیوں کی صف بندی، ایک امام کا اتباع۔ایک آواز پر تمام صفوں کی حرکت، جنگ ہی کے آداب نہیں بلکہ پوری اجتماعی زندگی کے آداب سکھاتی ہے۔نماز سے جہاں اس تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو بندے اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے وہیں نماز سے بندگانِ خدا کے باہمی تعلق اور ان کی اجتماعیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ ہماری اجتماعیت ہی کا تقاضا تھا کہ ہمیں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔نماز ہمیں خدا سے ہی نہیں ملاتی بلکہ وہ ہمارے آپس کے تعلقات کو بھی درست رکھتی ہے اور ہمارے دلوں کو جوڑتی ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ ہماری نماز حقیقت میں نماز ہو اور وہ اپنے ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ٹھیک اور درست ہو۔مسلم کی ایک روایت میں فرمایا گیا ہے:

عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔

(مسلم)

”اللہ کے بندو! (نماز میں) اپنی صفوں کو سیدھا اور درست رکھو ورنہ خدا تمھارے رخ کو ایک دوسرے کے خلاف کر دے گا۔“

نماز اسلام کے ان تمام عقائد کو تازہ کرتی ہے جن پر ایمان لائے بغیر نفس کی پاکیزگی، اخلاق کی درستی اور اعمال کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔صبر و توکل اور پاکیزگی اور طہارتِ نفس وغیرہ اعلیٰ اخلاقی اوصاف کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔نماز کے اندر آدمی کو پاک باز اور خدا ترس انسان بنانے کی بے انتہا قوت موجود ہے۔نماز ہمیں باحوصلہ اور عالی ظرف بناتی ہے اور ایک پاک اور ستھری زندگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔چنانچہ خدا کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (العنکبوت:۴۵)

”بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

نماز کو دین کے ایک جامع عنوان کی حیثیت حاصل ہے۔نماز مومن کی زندگی کا اول اور آخر سب کچھ ہے۔نماز مومن کی اخلاقی، روحانی اور حقیقی زندگی کی آئینہ دار ہے نماز کی اس بنیادی خصوصیت کی وجہ سے قرآن کبھی نیک اعمال میں صرف نماز کے ذکر کر دینے کو کافی سمجھتا ہے۔ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ

اَجْرَا الْمُصْلِحِیْنَ (الاعراف: ۱۷۰)

''جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم کر رکھی ہے یقیناً ایسے مصلح لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔''

ایک جگہ خدا کے باغی اور سرکش بندے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

فَلاَ صَدَّقَ وَلاَ صَلّٰیO وَ لٰکِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰیO (القیامہ: ۳۱، ۳۲)

''اس نے نہ تو (خدا اور اس کے رسول کی) تصدیق کی اور نہ نماز ادا کی بلکہ اس نے جھٹلایا اور روگردانی اختیار کی۔''

نماز کی اسی بنیادی اہمیت کی وجہ سے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا مَوْضَعُ الصَّلٰوۃِ مِنَ الدِّیْنِ کَمَوْضَعِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ۔

(المعجم الصغیر للطبرانی۔ عن ابن عمرؓ)

''دین میں نماز کا وہی مقام ہے جو جسم کے اندر سر کا ہے۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو نبی ﷺ نے نماز پڑھتے دیکھا جو نہ پورا رکوع کرتا تھا اور نہ پورا سجدہ کرتا تھا۔ اس کی جلد بازی کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: اگر یہ شخص اس حالت میں مر گیا اور اپنی نماز درست نہ کی تو محمدؐ کی ملت کے علاوہ کسی اور ملت پر اس کا خاتمہ ہوگا۔

نماز کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا تھا:

اِنَّ اَھَمَّ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ حَفِظَھَا وَ حَافَظَ عَلَیْھَا حَفِظَ دِیْنَہٗ وَ مَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَ لِمَا سِوَاھَا اَضْیَعُ۔

''تمہارے تمام کاموں میں سب سے بڑھ کر اہمیت میرے نزدیک نماز کی ہے۔ جس کسی نے اس کی حفاظت کی اور اس کی نگہبانی میں لگا رہا اس نے پورے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسری ساری چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔''

غرض نماز کو مومن کی زندگی میں بنیادی مقام حاصل ہے۔ نماز سے صرف یہی نہیں کہ ہماری زندگی کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ نماز ہمیں حقیقی زندگی سے آشنا کرتی اور خدا سے ہمارے رشتہ کو مضبوط کرتی ہے۔

نماز کی حقیقت واہمیت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ ھَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ؟ قَالُوْا: لاَ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ قَالَ: فَکَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُوا اللّٰہُ بِھِنَّ الْخَطَایَا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر دریا ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہائے تو کیا (اس کے جسم پر) کچھ بھی میل کچیل باقی رہے گا؟ (صحابہؓ نے) عرض کیا: کچھ بھی میل باقی نہ رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے۔ اللہ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

تشریح: جس طرح پانچ مرتبہ غسل کرنے سے جسم پر میل باقی نہیں رہ سکتا اسی طرح پانچوں وقت کی نماز ادا کرنے سے گناہ باقی نہیں رہ سکتے، اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر دیتا ہے۔ گناہ اور خطاؤں کے برے اثرات قلب پر پڑتے ہیں، یہ اثرات نماز سے زائل ہو جاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ نماز حقیقت میں نماز ہو، محض دکھاوے کی نماز نہ ہو، بلکہ پورے آداب اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ خدا کا قرب اور اس قرب کی کیفیت جو بندے کو نماز میں حاصل ہوتی ہے اس کی موجودگی میں گناہ کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

قرآن میں اس حقیقت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ o (ہود: ۱۱۴) ''دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیا کرو۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ ذَکَرَ اَمْرَ الصَّلٰوۃِ یَوْمًا فَقَالَ: مَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَّ بُرْھَانًا وَّ نَجَاۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ مَنْ لَّمْ یُحَافِظْ عَلَیْھَا لَمْ تَکُنْ لَّہٗ نُوْرًا وَّلاَ بُرْھَانًا وَّلاَ نَجَاۃً وَّ کَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ ھَامَانَ وَ اُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ۔ (احمد، دارمی، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص اس کی محافظت کرتا ہے تو وہ اس کے لیے قیامت کی روشنی، دلیل اور نجات ہوگی اور جو شخص اس کی محافظت نہ کرے تو نہ وہ اس کے لیے روشنی ہوگی، نہ دلیل ہوگی، نہ نجات اور وہ قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف (جیسے خدا کے نافرمان اور باغی لوگوں) کے ساتھ ہوگا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص پورے اہتمام کے ساتھ ٹھیک طور سے نماز ادا کرتا ہے، بے پروائی اور عدمِ توجہی کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا اور اپنی نماز کو اس کے ظاہر اور باطن دونوں پہلوؤں سے درست رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی یہ نماز دنیا میں بھی اس کے لیے روشنی اور دلیل و برہان ثابت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی اس کے کام آئے گی۔ ایسی نماز دنیا میں آدمیوں کو ان خرابیوں سے بچاتی ہے جو اسے راہِ راست سے بھٹکانے والی اور اس کے لیے تباہ کن ہیں۔ آخرت میں بھی وہ اس کے ذریعہ سے نجات اور خدا کی رحمت کا مستحق قرار پائے گا۔ نماز سراپا نجات اور روشنی ہے جو لوگ نماز سے غافل ہیں وہ درحقیقت تاریکی میں ہیں۔ ان کے نہ ذہن کو روشنی میسر ہے جسے 'برہان' کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کے دل کو وہ روشنی حاصل ہے جسے ''نور'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جب دنیا میں ان کی یہ حالت ہے تو آخرت میں ان کے لیے کسی بہتر حالت کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حُبِّبَ اِلَيَّ النِّسَآءُ وَالطِّيْبُ وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔ (نسائی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتیں اور خوشبو میرے لیے محبوب بنائی گئی ہیں۔ اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں میں جہاں پاکیزہ سیرت، عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہے وہیں سب سے بڑی نعمت میرے لیے نماز ہے۔ نماز میرے لیے سکون و راحت کا سامان ہے۔ آدمی کا تعلق اپنے رب سے جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اسے نماز میں سکون و راحت حاصل ہوگی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔
(مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو رکعت (سنت) دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔''

تشریح: انسان کو صرف روٹی ہی نہیں چاہیے، اسے ذہنی سکون اور روحانی نشاط بھی مطلوب ہے اور یہ بیش بہا شے نماز ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر اطمینانِ قلب اور ذہنی سکون دنیا کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے تو یقیناً نماز کی چند رکعتیں دنیا کی ساری نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۸) ''جان رکھو! اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔'' نماز اللہ کی یاد ہی کا دوسرا نام ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ یَا بِلاَلُ اَرِحْنَا بِھَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اے بلال! نماز قائم کرو تاکہ ہم اس سے راحت حاصل کریں۔''

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ وَالْبَیَاضِیِّؓ قَالاَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْہِ وَلاَ یَجْھَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ۔ (احمد)

ترجمہ: ابن عمرؓ اور بیاضیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نمازی (نماز میں) اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اس لیے اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کررہا ہے؟ تم میں سے کوئی اس طرح بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے کہ دوسروں کو دقّت ہو۔''

تشریح: بندہ نماز میں اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اسے اس کا شعور ہونا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے کیا کہہ رہا ہے؟ یہ حالت تو حد درجہ افسوس ناک ہوگی کہ آدمی بظاہر نماز میں ہو لیکن بہ باطن وہ کہیں اور ہو۔ نماز پڑھنے والوں کا پورا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ نماز ہو رہی ہو بلند آواز سے قرآن پڑھنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس سے نمازی کا ذہن منتشر ہوگا۔ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنی نماز نہ ادا کرسکے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغْلاً۔ (بخاری، مسلم) ''نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔'' یعنی آدمی خدا کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے، ایسی حالت میں

اسے کسی شخص سے بات چیت نہیں کرنی چاہیے اور نہ کسی کی باتوں کا جواب دینا چاہیے۔ اسے کامل یکسوئی کے ساتھ اپنی نماز ادا کرنی چاہیے۔

﴿۷﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِجْعَلُوْا فِىْ بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں بھی اپنی نمازوں میں سے کچھ حصہ پڑھا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔''

تشریح: یعنی اپنے گھروں میں بھی سنت اور نفل نماز پڑھا کرو۔ گھروں کی آبادی اور رونق درحقیقت خدا کے ذکر اور اس کی یاد سے ہی ہے اور نماز خدا کی یاد کی کامل ترین شکل ہے۔ ایک روایت میں ہے جس کے راوی حضرت جابرؓ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ فِىْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِىْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلٰوتِهٖ خَيْرًا۔ (مسلم) ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں نماز ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لیے رکھ لے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی ذریعہ سے اس کے گھر میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔''

اس میں شبہ نہیں کہ نماز سرمایۂ زندگی اور گھر کی رونق ہے۔ جس گھر میں نماز نہیں وہ گھر خیر و برکت سے خالی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ بنی الاشہل کی مسجد میں آئے۔ وہاں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں کو دیکھا نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: هٰذِهٖ صَلٰوةُ الْبُيُوْتِ۔ (ابوداؤد) ''یہ تو گھروں کی نماز ہے۔'' یعنی انھیں اپنے گھروں میں پڑھو۔ معلوم ہوا کہ نفل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِىْ بَيْتِهٖ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِىْ مَسْجِدِىْ هٰذَا اِلاَّ الْمَكْتُوْبَةَ۔ (ابوداؤد) ''کسی شخص کا فرض نماز کے علاوہ اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔'' آدمی کی زندگی عام طور سے اپنے گھر بار سے وابستہ ہوتی ہے۔ گھر میں نماز پڑھنی زندگی میں نماز کی شمولیت کے مرادف ہے۔ گھر میں نماز ادا کرنے سے نماز آدمی کی زندگی سے زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَآءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے پاس آئے تو آپؐ نے چار یا چھ رکعتیں پڑھیں۔

تشریح: اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نماز کی سنتیں وغیرہ گھر پر ادا فرماتے تھے وہیں یہ حقیقت بھی اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ نماز آپؐ کی زندگی میں پورے طور پر داخل ہو چکی تھی۔ مسجد ہی کی حد تک آپؐ خدا کے پرستار نہیں تھے، بلکہ اپنے گھر، اپنے اہل وعیال میں بھی آپؐ خدا کو یاد کرتے اور اس کی جناب میں سجدے گزارتے رہتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اور زندگی کے ہر موڑ پر نماز آپؐ کے ساتھ رہتی تھی۔ نہ نماز آپؐ کی زندگی سے الگ ہو سکتی تھی اور نہ آپؐ کی زندگی نماز سے خالی رہ سکتی تھی۔ نماز زندگی کی سب سے قیمتی متاع اور اصل سرمایۂ حیات ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَ اِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰى رَاْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِیْ صَلٰوتِهٖ مَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهَا يَعْنِی الْقُرْاٰنَ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خدا بندے کے کسی عمل میں بھی بندے کی طرف اتنا زیادہ متوجہ و مہربان نہیں ہوتا جتنا کہ دو رکعتوں پر جن کو بندہ ادا کرتا ہے۔ نیکی بندے کے سر پر چھڑکی جاتی ہے جب تک وہ نماز میں مشغول رہتا ہے اور بندہ خدا کا قرب جس قدر اس چیز سے حاصل کرتا ہے جو خدا سے نکلی ہوئی ہے (یعنی قرآن سے) کسی دوسری چیز سے نہیں۔“

تشریح: یعنی قرآن کے ذریعہ جس قدر بندہ اپنے خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے کسی دوسری چیز کے ذریعہ سے حاصل نہیں کر سکتا اور قرآن نماز کا خاص اور اہم حصہ ہے۔

نماز میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو اپنے وقت کو حد درجہ کارآمد اور مفید بنانا ہے۔ آدمی جب تک نماز میں ہوتا ہے اس پر نیکی چھڑکی جاتی ہے۔ نماز آدمی کو نیک اور حق شناس بناتی اور اس کی زندگی کو برائیوں سے پاک کر کے خدائی رنگ میں رنگ

دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا بپتسمہ (Baptism) ہے جس کے برابر کوئی بپتسمہ نہیں ہوسکتا۔ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَةً۔

‹۱۰› وَ عَنْ رَّبِيْعَةَ بْنِ كَعْبِ الْاَسْلَمِيِّؓ قَالَ: كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَاٰتِيْهِ بِوَضُوْئِهٖ وَ بِحَاجَتِهٖ فَقَالَ: سَلْنِيْ قُلْتُ: فَاِنِّيْ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ: اَوَ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ: قَالَ: فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ (مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: ربیعہ بن کعب اسلمیؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا۔ میں آپؐ کے وضو کا پانی اور ضرورت کی چیزیں لاتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: مجھ سے مانگو۔ میں نے عرض کیا: میری درخواست تو آپؐ سے یہ ہے کہ مجھے جنت میں آپؐ کی رفاقت حاصل ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے؟ میں نے عرض کیا: بس یہی (آپؐ کی رفاقت مجھے مطلوب ہے)۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا تو اپنے معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ سے میری مدد کرو۔''

تشریح: یعنی اگر یہ چاہتے ہو کہ جنت میں تمھیں میری رفاقت حاصل ہو تو کثرتِ سجود کو اپنا شعار بنالو تا کہ تم میری رفاقت کے مستحق ہوسکو۔ اگر ایسا کروگے تو پھر تمھیں میری رفاقت حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ آخرت میں نبی ﷺ کا خاص قرب ان لوگوں کو حاصل ہوگا جن کے سر اکثر خدا کے حضور سجدوں میں ہوتے ہیں اور جن کے یہاں نماز کا زیادہ سے زیادہ اہتمام پایا جاتا ہے۔ وہ خاص عمل جو اس مقام تک پہنچانے میں مددگار ہوتا ہے وہ خدا کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے۔ سجدوں کی کثرت واضح علامت ہوتی ہے کہ بندہ کو خدا سے گہرا تعلق ہے اور اسے اللہ کے رسولؐ کی پیروی کا پورا خیال ہے۔

‹۱۱› وَ عَنْ شُبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ فَاِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: شبرہ بن معبد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب لڑکا سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہوجائے تو نماز کے لیے اسے مارو۔''

تشریح: یعنی اگر نماز نہیں پڑھتا تو اس کے لیے اسے سزا بھی دے سکتے ہو۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَیْنَ الرَّجُلِ وَ بَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوةِ۔ (احمد، مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اور کفر کے درمیان ترکِ صلٰوۃ ہے۔''

تشریح: یعنی اسلام سے کفر تک پہنچنے کے لیے بیچ میں ایک درجہ ہے اور وہ ہے نماز کا ترک کردینا۔ اگر کسی نے نماز چھوڑ دی تو گویا وہ اسلام اور کفر کے بیچ لٹک رہا ہے۔ ایک قدم اگر آگے بڑھے تو کفر کی سرحد میں پہنچ جائے۔ نماز اسلام کا شعار ہے، اس کو ترک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی شعارِ اسلامی کو چھوڑ کر کفر کا رویہ اختیار کر رہا ہے۔

〈۱۳〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الَّذِیْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ کَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ۔ (بخاری، مسلم وغیرہ)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کے اہل اور اس کا مال سب برباد ہو گیا۔''

تشریح: کاروبار اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے عصر کی نماز فوت ہونے کا زیادہ اندیشہ رہتا تھا اس لیے آپؐ نے اس کے لیے تنبیہ فرمائی ورنہ ہر نماز اپنی جگہ اہم ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا فوت ہوجانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ نماز اگر جاتی رہی تو گویا آدمی لٹ گیا۔ جس طرح اہل وعیال اور مال وجائداد کے برباد ہونے سے آدمی کا گھر بالکل ویران ہوجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح نماز کے بغیر انسان کی زندگی بالکل ویران ہے، چاہے ظاہر میں وہ عیش وراحت ہی کی زندگی کیوں نہ گزار رہا ہو۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیے۔ ایک شخص کے پاس مال ودولت بھی ہے۔ کوٹھی اور باغ بھی اس کے پاس ہیں۔ آپ تصور کیجیے کہ اگر اس کا اکلوتا بیٹا فوت ہوجائے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ وہ سمجھے گا کہ اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ اسے اپنا گھر بالکل سنسان معلوم ہوگا۔ اس کی دولت اس کا باغ اور مکان سب کچھ موجود ہوگا۔ لیکن اس کی نگاہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت نہ ہوگی۔ وہ سوچے گا کہ جس کے لیے یہ سارے سامان تھے جب وہی نہیں رہا تو یہ سب بیکار ہے۔ ٹھیک اسی طرح نماز جو مومن کی زندگی کی روح اور سرمایہ تسکین وراحت ہے اگر

وہی باقی نہ رہے تو پھر آدمی کی زندگی میں کیا باقی رہے گا۔ جب آدمی خدا کی خدمت میں حاضر ہونے سے محروم رہا تو وہ ہر چیز سے محروم رہا۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْیَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فَھُوَ فِیْ ذِمَّةِ اللّٰہِ فَانْظُرْ یَا ابْنَ اٰدَمَ لَا یَطْلُبَنَّکَ اللّٰہُ مِنْ ذِمَّتِہٖ بِشَیْءٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جندب بن سفیانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ پس اے آدم کے بیٹے! دیکھ! اللہ کہیں تجھ سے اپنی حفاظت وضمانت کے متعلق کوئی باز پرس نہ کرے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی جب نمازِ فجر ادا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے کو خدا کی حفاظت میں دے دیتا ہے۔ اسے خدا کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نماز ترک کر دیتا اور اس عہد کو بھلا دیتا ہے جو اس کے اور خدا کے درمیان نماز کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے تو وہ خدا کی سرپرستی اور حفاظت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو جو خدا کی عظمت کا پاس ولحاظ نہیں رکھتا، نہ خدا کی مدد حاصل ہوتی ہے اور نہ اس کی توفیق وتائید اس کے کاموں میں شامل ہوتی ہے۔ خدا اس سے سخت باز پرس کرے گا اور اسے اس کی نافرمانی کی سخت سزا دے گا۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ اِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُکْ صَلٰوةً مَّکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ میرے دوست (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے یہ وصیت فرمائی: ”اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، خواہ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور تمھیں جلا دیا جائے اور نہ جانتے بوجھتے فرض نماز ترک کرنا کیونکہ جو شخص جانتے بوجھتے نماز چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ اس کی حفاظت سے دست بردار ہو جاتا ہے اور شراب نہ پینا کیونکہ وہ تمام برائیوں کا دروازہ کھولنے والی ہے۔“

﴿۱۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِہِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ عَمَلِہٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَ

اَنْجَحَ وَ اِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَ خَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِىْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذَالِكَ۔ (ابوداؤد، احمد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''قیامت کے دن بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب ہوگا وہ اس کی نماز ہے۔ پس اگر نماز ٹھیک ادا کی گئی ہے تو فلاح اور نجات حاصل ہو جائے گی اور اگر ٹھیک ادا نہیں کی گئی ہے تو ناکامی اور زیاں کاری ہے۔ اگر فرض نماز میں کوئی کمی ہوگی تو خدائے تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کے نوافل ہیں۔ فرض میں جو کمی ہو اس کو نوافل سے پورا کرو۔ پھر اسی طرح اس کے دوسرے سارے اعمال کا حساب ہوگا۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلم کی زندگی میں نماز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس لیے سب سے پہلے قیامت میں بندہ کی نماز کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر کسی کے پاس نماز نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے صحیح معنوں میں اس پاکیزہ اور مطلوب زندگی کو اختیار کرنے کا فیصلہ ہی نہیں کیا جس کی آئینہ دار نماز ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی زندگی میں نوافل اور سنن وغیرہ فرائض سے مختلف چیزیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ نوافل وغیرہ سے درحقیقت فرائض ہی کی تصحیح و تکمیل مقصود ہوتی ہے۔

〈۱۷〉 وَ عَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ (بخاری، نسائی)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے عصر کی نماز ترک کی اس کا کیا دھرا اکارت ہوا۔''

تشریح: نماز ترک کر دینے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے سارے کام اور اس کی ساری سعی و جہد بے معنی ہوگئی۔ نماز کے بغیر اس کی زندگی ہی بے معنی ہے۔

〈۱۸〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَالْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰهِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کا اول وقت خدا کی خوشنودی کا ہے اور آخری وقت خدا کی معافی کا ہے۔''

تشریح: اول وقت پر نماز پڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ بندے کو نماز سے رغبت ہے اور وہ اسے اپنے لیے بار نہیں سمجھتا۔ آخر وقت میں نماز سے فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن اس میں وہ خوبی کیسے پیدا ہو سکتی ہے جو اس کے اول وقت پر ادا کرنے میں ہے۔ جب نماز کا وہ وقت آ جائے جسے شارع نے احسن قرار دیا ہے تو نماز ادا کر لینی چاہیے۔ اس وقت نماز کو بلا کسی عذر کے مؤخر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ نماز سے جس درجہ شیفتگی اور رغبت ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہے۔

‹۱۹› وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: قُسِمَتِ الصَّلٰوةُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ فَنِصْفُهَا لِیْ وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، قَالَ اللّٰهُ وَ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ 'مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، قَالَ: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، قَالَ هٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ وَ اِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَo قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ۔

(مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نماز نصف نصف تقسیم ہے۔ نصف نماز میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے۔ اور میرے بندے کو وہی ملے گا جو وہ مانگے گا۔ جب بندہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (تمام حمد وستائش اللہ رب العلمین کے لیے ہے) کہتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی اور جب وہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (جو رحمٰن اور رحیم ہے) اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی۔ اور جب وہ کہتا ہے ''مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' (یومِ جزا کا مالک ہے) تو (اللہ) کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری عظمت اور

بزرگی کا اظہار کیا۔ اور جب وہ کہتا ہے ”اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ“ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان (مشترک) ہے اور میرے بندے کو وہ چیز ملے گی جس کی اس نے درخواست کی۔ اور جب وہ کہتا ہے ”اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلاَ الضَّآلِّیۡنَ“ (ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے جو نہ معتوب ہوئے اور نہ بھٹکے تو فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ چیز حاصل ہوگی جس کی اس نے درخواست کی۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت اور خدا کی اس عدالت کا جو قیامت میں قائم ہوگی، انکار کرنے والے درحقیقت خدا کی عظمت کے منکر ہیں۔ یہ بات خدا کی عظمت اور بزرگی سے فروتر ہے کہ وہ ایک ایسا دن نہ لائے جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دی جاسکے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ نماز میں بندہ اپنے رب سے مخاطب ہوتا ہے اور اس کا خدا اس کی تمام باتوں کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ وہ اپنے بندے کے پیش کیے ہوئے بہترین جذبات اور تحمید و تقدیس کے کلمات کو شرفِ قبولیت بخشتا اور اس کی درخواستوں کو قبول کرتا ہے۔ بندے نے اگر اس سے مدد کی درخواست کی ہے اور اس سے دین کے سیدھے اور فطری راستے پر چلنے کی توفیق طلب کی ہے تو وہ وعدہ فرماتا ہے کہ بندے کو اس کی مدد اور توفیق حاصل ہوگی اور اسے ہر طرح کی گمراہیوں سے بچایا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ لوگ بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لیے اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کر رہا ہے؟ تم میں سے کوئی اس طرح بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے کہ دوسروں کو دقت پیش آئے۔“ (مسند احمد)

نماز کی تعداد اور اس کے اوقات

(۱) عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَمۡرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: وَقۡتُ الظُّهۡرِ اِذَا

زَالَتِ الشَّمْسُ وَ كَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَ وَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرُّ الشَّمْسُ وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظہر کا وقت وہ ہے جبکہ سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جب تک کہ عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت وہ ہے (جو اس کے بعد ہو اس وقت تک) جب تک کہ سورج زرد نہ ہوجائے۔ اور مغرب کی نماز کا وقت (اس وقت تک رہتا ہے) جب تک کہ شفق غائب نہ ہو اور عشا کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔ اور فجر کی نماز کا وقت صبح کے ظاہر ہونے سے آفتاب کے نکلنے تک ہے۔''

تشریح: ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر، یہ پانچ وقت کی نمازیں ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ اس حدیث میں ان کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء: ۱۰۳) ''بیشک نماز اہلِ ایمان پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔''

نماز کے اوقات کیا ہوں؟ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (بنی اسرائیل: ۷۸) ''نماز قائم کرو سورج کے زوال کی بنا پر رات کے چھا جانے تک اور فجر کے قرآن کو بھی ضروری قرار دے لو۔ بیشک فجر کا قرآن (پڑھنا) حضوری کی چیز ہے۔'' ''سورج کے زوال کی بنا پر رات کے چھانے تک'' میں چار وقتوں کی نمازیں آجاتی ہیں۔ سورج پہلی بار دوپہر کے بعد ڈھلتا ہے، وہ ظہر کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ سورج کا دوسرا زوال پہاڑوں اور اونچے ٹیلوں وغیرہ سے ہوتا ہے اور عصر کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے بعد سورج سطحِ زمین سے ڈھلتا ہوا غروب ہوجاتا ہے جو مغرب کی نماز کا وقت ہے۔ سورج کا ایک زوال اس کے بعد بھی ہوتا ہے جب کہ افق پر اس کی سرخی اور اس کے آثار تک باقی نہ رہیں اور بالکل تاریکی چھا جاتی ہے اور عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

پانچویں نماز فجر کی ہے جس کا وقت پو پھٹنے سے لے کر سورج نکلنے تک ہے۔ اس نماز کا ذکر بھی اس آیت میں آگیا ہے۔

نماز کے اوقات ہماری دنیا میں ظاہر ہونے والی اہم تبدیلیوں اور نشانیوں کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں۔ یہ نشانیاں خدا کی قدرت اور اس کی عظمت کو آشکارا کرتی ہیں۔ بندۂ مومن بھی ان نشانیوں کے ظہور کے وقت خدا کے آگے سربسجود ہوکر اپنے کو کائنات کی عظیم نشانیوں کے ساتھ ہم آہنگ کرلیتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَکَ الصُّبْحَ وَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَکَ الْعَصْرَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کو صبح کی ایک رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے مل گئی اسے صبح (کی نماز) مل گئی اور جسے عصر کی ایک رکعت غروبِ آفتاب سے پہلے مل گئی اس نے عصر کو پالیا۔“

تشریح: یعنی اس کی نماز ادا ہوگئی۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ عصر کی نماز کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کو بھی ان ائمہ سے اتفاق ہے۔ البتہ فجر کی نماز کے بارے میں وہ ان ائمہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔

نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت ختم ہونے کو آجائے صحیح نہیں ہے۔ نمازوں کو ان کے مستحب وقت پر ہی ادا کرنا چاہیے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اس کے آخری وقت میں نہیں ادا فرمائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اٹھالیا۔

نماز اور طہارت و پاکیزگی

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِیْزَانَ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَّالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَّفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طہارت اور پاکیزگی جزو ایمان ہے۔ اور 'الحمد للہ' میزان کو بھر دیتا ہے اور ''سبحان اللہ والحمد للہ آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے سب کو بھر دیتے ہیں۔ اور نماز نور ہے، صدقہ دلیل و برہان ہے۔ صبر روشنی ہے اور قرآن یا تو حجت ہے تمھارے حق میں یا تمھارے خلاف۔ ہر شخص صبح کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پھر یا تو وہ اسے نجات دلاتا ہے یا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں کئی بنیادی حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے: (۱) معلوم ہوا کہ ایمان کے جہاں اور بہت سے تقاضے ہیں وہیں اس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے جسم ولباس کو پاک و صاف رکھے۔ ایمان محض نہاں خانۂ دل میں رہنے والی چیز نہیں ہے۔ انسان کی پوری زندگی میں ایمان کا اظہار ہونا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ۔ (ترمذی) ''پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان ہی کا تقاضا ہے کہ آدمی کا ظاہر اور باطن دونوں پاک اور روشن ہوں جس نے اپنے ظاہر کو پاک رکھا، اس نے ایمان ہی کے نصف تقاضے کو پورا کیا۔ کامل پاکیزگی اور کامل ایمان تو اس وقت میسر آسکتا ہے جبکہ ظاہر کے ساتھ ہمارا باطن بھی پاک ہو، اس میں شرک وکفر اور شر وفساد کی گندگی نہ ہو بلکہ اس میں اخلاص ومحبت ہو، خدا کی عظمت کا احساس ہو۔ اس کے بندوں کے لیے درد وشفقت اور مروّت ہو۔

دین اور شریعت میں طہارت اور پاکیزگی کی بڑی اہمیت ہے۔ صرف یہی نہیں کہ نماز، تلاوت قرآن اور طوافِ کعبہ کے لیے طہارت لازمی شرط ہے، بلکہ پاکیزگی اور طہارت بذاتِ خود دین میں ایک مطلوب چیز ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○ (البقرہ: ۲۲۲)

''بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو پاک وصاف رہنے والے ہیں۔''

اس آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جس طرح طہارت کا اہتمام آدمی کے جسم اور اس کے لباس کو پاک وصاف رکھتا ہے اسی طرح توبہ اور رجوع الی اللہ کے ذریعہ آدمی کے باطن اور اس کی روح کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور وہ گناہ کی آلودگیوں اور برے اثرات سے نجات پالیتا ہے۔ روایتوں میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور یہ دعا پڑھنے کا ذکر آتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔ ''اے اللہ! تو مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کردے اوران لوگوں میں سے کردے جو پاکیزگی اور صفائی اختیار کرنے والے ہیں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ کامل طہارت اور پاکیزگی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ ظاہری پاکیزگی کے اہتمام کے ساتھ ساتھ باطنی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے بندہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے اور خدا کے حضور میں توبہ واستغفار کے ذریعہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝

(التوبہ:۱۰۸)

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک وصاف رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک وصاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

حدیث میں طہارت اور پاکیزگی کو ایمان کا جزو قرار دیا جارہا ہے۔ایک حدیث میں پاکیزگی اور صفائی کو ''نصف ایمان'' فرمایا گیا۔جسم اور لباس کی پاکی اور ستھرائی کا انسان کے قلب وروح پر گہرا اثر پڑتا ہے، اگر جسم اور لباس پاک وصاف ہے تو لازماً طبیعت میں ایک طرح کا انشراح وانبساط ہوگا اور آدمی سرور وفرحت کی کیفیت محسوس کرے گا۔طہارت اپنی حقیقت کے لحاظ سے روح وقلب کا انشراح وانبساط اور ناپاکی اپنی اصلیت کے لحاظ سے نفس کا انقباض وتکدّر اور طبیعت کی ظلمانی کیفیت کا نام ہے۔ناپاکی یا پیشاب وپاخانے سے فارغ ہونے کے بعد آدمی جب غسل یا وضو کرلیتا ہے اور صاف ستھرے کپڑے پہنتا اور خوشبو کا استعمال کرتا ہے تو اس سے طبیعت کی گرانی دور ہوجاتی ہے اور اسے ایک طرح کی فرحت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس لائق ہوجاتا ہے کہ خدا کی طاعت وعبادت کے مقدس فرائض انجام دے سکے۔اسے فرشتوں سے ایک طرح کی مشابہت حاصل ہوجاتی ہے جو ہمہ وقت پاک وصاف اور نورانی کیفیات کے حامل ہوتے ہیں۔

جس شخص کو پاکی وناپاکی کی پروا نہیں ہوتی، جو ہر وقت ناپاکی ہی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہے اس کی روح ظلمتوں میں ہی گھری رہتی ہے اور وہ نورانی کیفیات اور ایمان کی

حلاوتوں سے محروم رہتا ہے۔ اس کی روح طرح طرح کے وساوس میں گرفتار رہتی ہے۔ حکمت اور فہم ودانائی کی راہیں اس پر کشادہ نہیں ہوتیں۔

(۲) الحمد للہ (شکر وثنا خدا ہی کے لیے ہے)۔ سبحان اللہ والحمد للہ (پاک و برتر ہے خدا، شکر وثنا خدا ہی کے لیے ہے) ان پاکیزہ کلمات کی برکت سے زمین وآسمان کی تمام فضا معمور ہو جاتی ہے۔ یہ پاکیزہ کلمات آدمی کے نیکی کے پلّے کو جھکانے والے ہیں۔ آخرت میں ان کا بے پایاں اجر ملے گا۔ ان کلمات کو اگر آدمی شعور کے ساتھ پڑھے تو لازماً اس کی زندگی میں عظیم انقلاب رونما ہوگا۔ وہ دنیا میں کبھی خدا سے غافل ہو کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

(۳) مومن کی زندگی کا اول اور آخر نماز ہی ہے۔ نماز ہی آدمی کی زندگی کو معنویت بخشتی اور نفسِ انسانی کو تاریکیوں اور پست قسم کی خواہشات سے نجات دلاتی ہے۔ نماز اپنی حقیقت کے لحاظ سے خدا کا ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید ہے۔ خدا کے ذکر سے بڑھ کر زندگی کا نور کہاں پایا جا سکتا ہے۔

(۴) صدقہ آدمی کے مومنِ صادق ہونے کا ایک بیّن ثبوت ہوتا ہے۔ بندۂ مومن خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کر کے اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ وہ خدا اور اس کی اتاری ہوئی شریعت پر ایمان رکھتا ہے۔ صدقہ، آخرت میں بھی آدمی کی خدا پرستی کی دلیل قرار پائے گا اور اس طرح صدقہ دینے والا خدا کے انعام واکرام کا مستحق ہوگا۔

(۵) مومن کی زندگی میں ''صبر'' کا مقام نہایت بلند ہے۔ صبر درحقیقت ایمان اور توکل علی اللہ کا لازمی تقاضا ہے۔ صبر کے بغیر انسان کی زندگی ہمیشہ کردار سے خالی ہوگی۔ جہاں کردار ہوگا وہاں لازماً صبر ہوگا۔ صبر کے بغیر انسانی زندگی کی تہذیب وتحسین ممکن نہیں۔ صبر مومن کا لازمی وصف ہے۔ بے صبری ہمیشہ عدمِ اطمینان یا ضعفِ ایمانی کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ جس شخص کی نگاہ مآل اور انجامِ کار پر ہوگی وہ کبھی دامنِ صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دے گا، خواہ کتنے ہی مصائب گھر کر آئیں، وہ کبھی راہِ حق سے ہٹ نہیں سکتا۔ اہلِ باطل کتنی ہی منفعت کی امید کیوں نہ دلائیں وہ کبھی اپنے ضمیر اور ایمان کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس کے دامنِ عفت کو تار تار کرنے کے کتنے ہی سامان کیوں نہ بہم ہوں، عریانیت اور فحاشیت کا بازار کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو وہ ان سب کے مقابلہ میں جس ہتھیار کو استعمال کرتا ہے وہ صبر کا ہتھیار ہے، وہ حدود اللہ کا ہمیشہ

اور ہر حال میں پورا احترام کرتا ہے۔ صبر کی اس بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو قرآن میں نماز کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (البقرہ: ۱۵۳) ’’اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو۔ بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘ اس آیت میں صلوٰۃ کا لفظ صبر کے مرادف کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو مفردات القرآن، علامۃ الفراہیؒ صفحہ ۵۴) صبر کی ان خصوصیات کی بنا پر اس کو ضیاء یا روشنی سے تعبیر کرنا بالکل فطری بات ہے۔

(۶) اگر تمھاری زندگی قرآن کی ہدایات اور اس کے پیش کیے ہوئے نقشے کے مطابق بسر ہوگی تو قرآن تمھارے لیے شاہد اور دلیل بنے گا لیکن تمھارا رویہ اگر اس کے خلاف ہے تو قرآن کی شہادت تمھارے خلاف ہوگی۔

(۷) دنیا میں ہر شخص خواہ وہ کسی حال میں اور کسی کام میں ہو حقیقت کی نگاہ میں وہ روزانہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے یا تو وہ اسے نجات دلانے والا ہے یا اسے ہلاک کرنے والا ہے۔ انسان کی زندگی مسلسل ایک سوداگری ہے۔ وہ اگر اپنی زندگی خدا کی اطاعت وفرماں برداری میں گزارتا ہے۔ تو وہ گویا اپنی نجات کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ خدا فراموشی کی زندگی اختیار کیے ہوئے ہے تو وہ اپنی ہلاکت اور تباہی کا سامان کر رہا ہے۔ دنیا میں اسے روحانی واخلاقی موت اور آخرت میں عذابِ جہنم سے اسے بچانے والا کوئی نہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ شُبَیْبِ بْنِ اَبِیْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ صَلّٰی صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَقَرَءَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَیْہِ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ: مَا بَالُ اَقْوَامٍ یُصَلُّوْنَ مَعَنَا لاَ یُحْسِنُوْنَ الطُّھُوْرَ وَ اِنَّمَا یُلَبِّسُ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ اُولٰٓئِکَ۔ (نسائی)

ترجمہ: شبیب بن ابی روح رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپؐ نے سورۃ الروم پڑھی۔ اس میں آپؐ کو اشتباہ ہوگیا اور خلل واقع ہوا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور طہارت کا اچھی طرح اہتمام نہیں کرتے۔ بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں التباس پیدا کر دیتے ہیں۔‘‘

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت کے لیے طہارت اور وضو وغیرہ کا اہتمام کتنا ضروری ہے۔ وضو وطہارت اچھی طرح نہ کرنے کے برے اثرات صرف یہی نہیں کہ اپنے قلب اور روح پر پڑتے ہیں، بلکہ اس کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے اثر سے قرأت میں گڑبڑ بھی واقع ہوسکتی ہے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاَ تُقبَلُ صَلاَۃٌ بِغَیرِ طُھُورٍ۔ (مسلم) ''طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔'' طہارت اور پاکی صحتِ نماز کے لیے ضروری ہے۔

(۳) وَ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلسِّوَاکُ مُطْھِرَۃٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاۃٌ لِّلرَّبِّ۔ (مسند امام شافعی، احمد، نسائی، بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسواک منھ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔''

تشریح: مسواک سے آدمی کو دُہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس سے منھ کی صفائی بھی ہوجاتی ہے اور چونکہ خدا کے نزدیک یہ عمل نہایت پسندیدہ ہے اس لیے اس سے خدا کی رضا اور اجر وثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: مَثَلُ الَّذِیْ یَعْمَلُ وَ یَحْتَسِبُ فِیْ صَنْعَتِہِ الْخَیْرَ کَمَثَلِ اُمِّ مُوْسیٰ ترضع وَلَدھَا وَ تَاخذ اَجْرَھَا۔ ''جو شخص اپنی روزی کمانے کے لیے کام کرے اور اپنے کام میں خدا کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھے اس کی مثال حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی سی ہے کہ انھوں نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا اور اس کی اجرت بھی لی۔'' یعنی روزی کمانے میں بھی آدمی دُہرا فائدہ اٹھاتا ہے۔ روزی بھی کماتا ہے اور اللہ سے اجر وثواب بھی پاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ خدا کی خوش نودی کو پیشِ نظر رکھے اور ایمانداری کے ساتھ کام کرے۔ دہرے فائدے کی بات کسبِ معاش اور مسواک ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ دین کے تمام ہی احکام ایسے ہیں جن میں انسان کی دنیوی واخروی فلاح وبہبود کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(۴) وَ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لاَ یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَلاَ نَھَارٍ فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّا یَتَسَوَّکُ قَبْلَ اَنْ یَّتَوَضَّاءَ۔ (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپؐ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور کرتے۔

〈۵〉 وَ عَنْ شُرَیحِ بْنِ هَانِئٍؒ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیئٍ کَانَ یَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَتْ بِالسِّوَاکِ۔ (مسلم)

ترجمہ: شریح بن ہانیؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا: ''سب سے پہلے آپؐ مسواک کرتے تھے۔''

تشریح: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ مسواک کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جب بھی ضرورت محسوس ہو مسواک کر لینی چاہیے۔ پانچ موقعوں پر خاص طور سے مسواک کی اہمیت ہے۔ وضو میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت (اگر وضو اور نماز کے درمیان میں زیادہ وقت گزر چکا ہو)، قرآن کریم کی تلاوت کے وقت، سوکر اٹھنے کے وقت، منہ میں بو پیدا ہوجانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت۔

〈۶〉 وَ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں۔ حیاء، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔''

تشریح: حیا انسان کی سیرت کا حسن و جمال ہے۔ نبی ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں: وَمَا کَانَ الْحَیَآءُ فِیْ شَیئٍ اِلَّا زَانَهٗ۔ ''جس میں حیا ہوگی اس میں ایک خاص قسم کی زینت پیدا ہوجائے گی۔'' ایک حدیث میں ہے: وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ ''اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔'' انبیاء سیرت و کردار کے لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے یہاں یہ مطلوب شے نہ پائی جائے گی تو کہاں پائی جائے گی۔

خوشبو اور مسواک دونوں ہی چیزیں بڑی پسندیدہ ہیں۔ مسواک سے منہ کی صفائی حاصل ہوتی ہے، خوشبو سے روح و قلب کو ایک خاص طرح کا نشاط حاصل ہوتا ہے۔ عبادت کے کیف و ذوق میں خوشبو اور پاکیزگی دونوں چیزیں معاون ہوتی ہیں۔

نکاح، معاشرہ کا بنیادی پتھر ہے۔ انبیاء علیہم السلام انسانی معاشرے کے لیے کامل

نمونہ بن کر آتے ہیں اس لیے وہ نکاح سے اجتناب کیوں کر کر سکتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں انسان کے لیے نیک بیوی خدا کی ایک بڑی نعمت ہے۔ نکاح وہ چیز ہے جس سے نگاہ و قلب کی عفت کی محافظت آسان ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کی تعلیم دینے کے لیے آئے ہیں اور نہ انھوں نے نکاح اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو تقویٰ یا خدا پرستی کے اعلیٰ معیار کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس طرح کی چیزیں تو ہمیشہ بیمار ذہنوں کی پیداوار ہوا کرتی ہیں۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں ستر گنی فضیلت رکھتی ہے جو بلا مسواک کے ادا کی جائے۔“

تشریح: یعنی جو نماز مسواک کر کے ادا کی جائے گی وہ اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے بدرجہا افضل ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ظاہری پاکیزگی اور ستھرائی کی دین میں کتنی اہمیت ہے۔ ظاہری پاکیزگی اور ستھرائی کا لازماً اعمال کے ظاہر و باطن پر اثر پڑتا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عُثْمَانَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح سے وضو کیا اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔“

تشریح: یعنی وضو سے صرف ظاہری طہارت اور پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے آدمی کے گناہ بھی دھل جاتے ہیں اس لیے کہ ہر وضو حقیقت میں خدا کی اطاعت و بندگی کا نئے سرے سے ایک عہد و پیمان بھی ہے اس لیے روایتوں میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ (میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں) پڑھنے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس شہادت، عہد و پیمان اور تجدیدِ ایمان کے نتیجہ میں آدمی کی مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کے لیے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

وضو سے صغیرہ گناہ تو لازماً معاف ہوجاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے راہ ہموار ہوجاتی ہے۔ کوئی شخص اگر کبائر کا مرتکب ہوا ہے تو توبہ واستغفار اور کفارے کی دوسری شکلیں بھی اختیار کرے تا کہ خدا اس کے تمام گناہوں کو بخش دے اور اسے پاکیزہ زندگی حاصل ہو۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’طہارت و پاکیزگی ایمان کا نصف حصہ ہے۔‘‘

تشریح: اسلام نے جہاں روحانی اور اخلاقی طہارت و پاکیزگی کی تعلیم دی ہے وہیں وہ ہمیں ظاہری صفائی، پاکیزگی اور ادب وسلیقہ کی تعلیم بھی دیتا ہے اس لیے ظاہری پاکیزگی کو نصف ایمان فرمایا گیا۔ ایمان کے جملہ تقاضے تو اسی وقت پورے ہوسکتے ہیں جبکہ آدمی اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو پاکیزگی بخشے۔ دونوں میں گہرا ربط وتعلق ہے، دونوں کی تکمیل سے آدمی کی تکمیل ممکن ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُکُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَ ہٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَی الْمَسْجِدِ فَلاَ یُشَبِّکَنَّ یَدَیْہِ فَاِنَّہٗ فِی الصَّلٰوۃِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: کعب بن عجرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کوئی اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کے ارادہ سے نکلے تو ’تشبیک‘ نہ کرے کیونکہ وہ نماز میں ہوتا ہے۔‘‘

تشریح: ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں بلا وجہ ڈالنا یا محض چٹخانے کے لیے ڈالنا تشبیک ہے۔ یہ ایک فضول حرکت ہے یا یہ سستی اور غفلت کی علامت ہے۔ اس سے روکا گیا ہے۔ جب کسی شخص نے اچھی طرح وضو کرلیا تو وہ عام غافل اور بے خبر انسانوں جیسا نہیں رہا۔ بلکہ اسے ظاہری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ روح کی پاکیزگی بھی حاصل ہوگئی۔ اب وہ اس خدا کی طرف متوجہ ہوگیا جس کی طرف رُخ کرنا دل کی تمام کثافتوں کو دور کرتا اور آدمی کو پاک بناتا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے اب وہ حالتِ نماز میں ہے اور اگر مسجد جانے کے ارادہ سے وہ گھر سے نکل پڑا تو پھر اس کے حالتِ نماز میں ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ مسجد کا راستہ طے کرنے میں اسے

نماز ہی کا ثواب ملے گا۔ اس لیے اسے بلا ضرورت کوئی ایسا فعل نہیں کرنا چاہیے جو نماز کے منافی ہو۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی ایک حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد کے اندر ہو تو اسے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر نہ ڈالنا چاہیے۔ تم میں سے کوئی شخص جب تک مسجد میں رہتا ہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے یہاں تک وہ مسجد سے چلا جائے۔ (مسند احمد)

نماز کے آداب

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لاَ یَزَالُ اللّٰهُ مُقْبِلاً عَلَی الْعَبْدِ وَ هُوَ فِیْ صَلاَتِهٖ مَا یَلْتَفِتُ فَاِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْهُ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ جب نماز میں ہوتا ہے تو خدا لازماً اس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہ دیکھے اور جب وہ ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے تو خدا اس کی طرف سے رُخ پھیر لیتا ہے۔''

تشریح: یعنی خدا اس وقت تک اس شخص کی طرف متوجہ رہتا اور اس پر نظرِ عنایت رکھتا ہے جب تک وہ نماز میں خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے، ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ لیکن جب وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو خدا بھی اس کی طرف سے اپنا رُخ پھیر لیتا ہے۔ اس کی غیرت کو یہ کب گوارا ہو سکتا ہے کہ وہ اس شخص کی طرف متوجہ ہو جسے اس کی عظمت اور کبریائی کا پاس ولحاظ نہیں ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ: کُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ فَجِیْئَ بِطَعَامِهَا فَقَامَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ یُصَلِّیْ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: لاَ صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ وَ لاَ لِمَنْ یُّدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔ (مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن محمد بن ابوبکر سے روایت ہے کہ ہم حضرت عائشہؓ کے پاس تھے اتنے میں ان کا کھانا آیا تو قاسم بن محمد نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''جب کھانا سامنے آجائے تو اس وقت نماز نہیں (پڑھنی چاہیے) اور نہ اس وقت (نماز پڑھنی چاہیے) جب کہ پیشاب پاخانے کی حاجت ہو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بھوک ہو اور کھانا آجائے تو اسے کھا کر نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیے

ورنہ نماز میں یکسوئی حاصل نہ ہو سکے گی اسی طرح اگر پیشاب یا پاخانے کی حاجت ہے تو اس وقت بھی نماز میں جی نہیں لگ سکتا اس لیے ایسی حالت میں آدمی کو چاہیے کہ پیشاب پاخانے سے فارغ ہو کر نماز ادا کرے۔ شریعت نے انسان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الحج: ۷۸) ''اللہ نے دین میں تمھارے لیے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِذَا وُضِعَ عَشَآءُ اَحَدِكُمْ وَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَآءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ۔ (بخاری ومسلم) ''جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور نماز کی تکبیر کہی جانے لگے، تو پہلے کھانا کھالے۔ کھانے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔'' حضرت ابن عمرؓ کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز شروع ہو جاتی تو وہ نماز کو نہ جاتے جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو لیتے حالانکہ امام کی قرأت سنتے ہوتے تھے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالسَّقِيْمَ وَالْمَرِيْضَ وَ ذَا الْحَاجَةِ وَ اِذَا صَلّٰى لِنَفْسِهٖ فَلْيُطِلْ مَاشَآءَ۔ (بخاری، مسلم وغیرہ)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی (نماز) پڑھانی چاہیے۔ اس لیے کہ ان میں ضعیف، ناتواں، بیمار اور ضرورت مند سب شریک ہوتے ہیں اور جب اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے۔''

تشریح: یعنی امام کو چاہیے کہ وہ نماز میں مقتدیوں کا خیال رکھے۔ نماز بہت لمبی نہ کرے تاکہ ہر شخص آسانی سے ادا کر سکے۔ تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے اختیار ہے جتنی دیر تک چاہے نماز میں کھڑا رہے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو نبی ﷺ کی نماز کی طرح ہلکی اور کامل ہو۔ (بخاری)

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنِّیْ لَاَدْخُلُ فِی الصَّلٰوةِ وَ اَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُطِيْلَهَا فَاَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلٰوتِیْ لِمَآ اَعْلَمُ مِنْ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَآئِهٖ۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی، ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اسے طویل کروں اتنے میں بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو میں اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں اس لیے کہ میں اس تکلیف کو جانتا ہوں جو اس کی ماں کو اس کے رونے سے ہوگی۔''

تشریح: بچے کے رونے کی آواز آتی تو حضوؐر اس خیال سے نماز کو مختصر کر دیتے تھے کہ ممکن ہے بچے کی ماں نماز میں شریک ہو اور اسے بچے کی وجہ سے پریشانی ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معیاری نماز کے لیے اس درجہ کا استغراق اور محویت شرط نہیں کہ آدمی کو کسی چیز کی خبر ہی نہ ہو سکے۔ اعلیٰ درجہ کی نماز کے لیے اصلاً جو چیز مطلوب ہے وہ ہے خدا کی عظمت اور بزرگی کا احساس، اس کی طرف دل کا جھکاؤ اور خشیت، نماز میں یہ چیز جس درجہ حاصل ہوگی اسی قدر ہماری نمازیں بہتر ہوسکیں گی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَ اِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک نشاط و مستعدی کے ساتھ نماز پڑھ سکو پڑھو اور جب سست ہو جاؤ تو بیٹھ جاؤ۔''

تشریح: یعنی نماز کا حکم دے کر اللہ نے تمھیں کسی مشقت میں نہیں ڈالا ہے۔ نماز تو تمھاری روحانی غذا ہے۔ اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ نشاط اور چستی کی حالت میں ادا کرو تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ قوت و توانائی حاصل کر سکو اور تمھیں نماز سے پورا فائدہ پہنچ سکے۔۔۔ واضح رہے کہ اس حدیث میں نفل نماز کا ذکر ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَ هُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَ هُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی شخص نماز میں اونگھنے لگے تو اسے سو رہنا چاہیے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے اس لیے کہ اونگھتے ہوئے

تم میں سے کوئی نماز پڑھے گا تو وہ نہیں جان سکتا (کہ کیا کہہ رہا ہے) ممکن ہے وہ طالب ہو مغفرت کا اور وہ اپنے حق میں برے کلمات نکالنے لگ جائے۔"

‹۷› وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ۔ (بخاری)

ترجمہ: عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو اور بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو لیٹ کر پڑھو۔"

تشریح: زندگی میں نماز کی اتنی اہمیت ہے کہ اسے کسی حال میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح بھی ممکن ہو اسے ادا کرتے رہو۔ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو لیٹ کر ہی اشاروں سے نماز ادا کر لو۔

شریعت کے احکام انسان کے لیے مصیبت ہرگز نہیں۔ شریعت نے انسانوں کی مجبوریوں اور معذوریوں کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ احادیث سے اس کی بہت سی مختلف مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ صحابۂ کرامؓ اس راز سے واقف تھے کہ شرعی احکام انسان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو درداءؓ کا ارشاد ہے: "آدمی کے تفقہ فی الدین (دین کے بارے میں سمجھ) کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر اسے نماز کے وقت کوئی سخت ضرورت درپیش ہو تو پہلے وہ اپنی ضرورت پوری کرے تاکہ جب وہ نماز کی طرف آئے تو پوری دل جمعی (اور کامل یکسوئی) کے ساتھ آئے۔" (بخاری)

‹۸› وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كُنْتُمْ فِى الْمَسْجِدِ فَنُوْدِىَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّىَ۔ (احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا: "جب تم مسجد میں ہو اور نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم میں سے کوئی اس وقت تک مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لے۔"

تشریح: یعنی جب اذان ہو گئی تو نماز پڑھ کر ہی مسجد سے نکلنا چاہیے۔ بلا کسی حقیقی عذر کے نماز ادا کیے بغیر مسجد سے نکل جانا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں نماز کا احترام اور خدا کی عظمت کا صحیح احساس نہیں ہے ورنہ مؤذن کی پکار کو رد کرنے کی جرأت اسے کبھی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

﴿۹﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ثَلٰثَۃٌ لَا تُرْفَعُ لَھُمْ صَلٰوتُھُمْ فَوْقَ رُؤُسِھِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَّ ھُمْ لَہٗ کَارِھُوْنَ وَ اِمْرَأَۃٌ بَاتَتْ وَ زَوْجُھَا عَلَیْھَا سَاخِطٌ وَّ اَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں اٹھتی۔ وہ امام جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں اور وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور وہ دو بھائی جو آپس میں ناراض ہوں اور قطع تعلق کرلیں۔''

تشریح: ''سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں اٹھتی''، یعنی ان کی نماز ذرا بھی قبول نہیں ہوتی۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ کا حق بھی اسی وقت ادا ہوتا ہے جبکہ بندوں کا حق بھی ادا ہو۔ بھائی اگر بھائی کے حقوق کو بھول جائے، اسی طرح عورت اگر خاوند کو ناراض رکھے یا امام لوگوں کے صحیح جذبات اوران کے جائز مطالبات کو نہ پہچانے تو اس کی نماز صحیح معنوں میں نماز نہیں ہوسکتی۔ نماز تو ایک اعلیٰ کردار ہے جس کا اظہار بندہ، خدا کا حق ادا کر کے کرتا ہے۔ لیکن اگر دوسرے حق داروں کے حقوق کے ادا کرنے میں اس سے قصور ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس کے کردار ہی میں نقص ہے۔ خدا کی محبت اگر لوگوں سے نفرت سکھائے تو پھر وہ خدا کی محبت ہی کب ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً اَوْ نَامَ عَنْھَا فَکَفَّارَتُھَا اَنْ یُّصَلِّیَھَا اِذَا ذَکَرَھَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَا کَفَّارَۃَ لَھَا اِلَّا ذَالِکَ۔

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نماز (پڑھنی) بھول جائے یا نماز سے غافل ہوکر سوجائے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ جس وقت یاد آئے فوراً پڑھ لے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جس وقت یاد آجائے ادا کرلے۔''

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَیْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِیْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِیْطُ فِی الْیَقْظَۃِ فَاِذَا نَسِیَ اَحَدُکُمْ صَلٰوۃً اَوْ نَامَ عَنْھَا فَلْیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا

فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوجانے سے (نماز میں تاخیر ہوجانے پر) کوئی قصور لازم نہیں آتا۔ قصور تو بیداری کی حالت میں (نماز میں تاخیر کرنے پر) ہے۔ اس لیے جب تم میں کوئی (نماز پڑھنا) بھول جائے یا نماز سے غافل ہوکر سوجائے تو جس وقت یاد آئے فوراً پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔''

تشریح: یعنی اگر کوئی شخص بھول گیا اور اس نے نماز ادا نہیں کی یا اس پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ نماز ادا کیے بغیر سو گیا تو اس پر اس کی گرفت نہ ہوگی۔ جب اسے یاد آجائے یا جب وہ بیدار ہو تو فوراً نماز پڑھ لے۔ نماز کا تعلق آدمی کے شعور اور اس کی یاد سے ہے۔ اگر آدمی پر کسی وجہ سے غفلت طاری ہوگئی یا اسے یاد نہیں رہا کہ اس نے ابھی نماز ادا نہیں کی ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بلا کسی عذر کے نماز ترک کرتا ہے تو اس کا دل گنہگار ہے، لازماً اس کی گرفت ہوگی۔

نبی ﷺ نے تائید میں قرآن کی جو آیت تلاوت فرمائی وہ قرآن مجید سے آپؐ کے لطیف استدلال کی ایک واضح مثال ہے۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّہٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْ لَیْلَۃٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّ رِیْحٍ ثُمَّ قَالَ: اَلاَ صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: کَانَ یَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃٌ ذَاتَ بَرْدٍ وَّ مَطَرٍ یَقُوْلُ: اَلاَ صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے ایک نہایت سرد اور آندھی والی رات میں نماز کی اذان دی پھر کہا: خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرلو۔ اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت جب کہ سخت سردی اور بارش کی رات ہوتی مؤذن کو حکم دیتے: ''وہ (اذان میں) کہہ دے کہ آگاہ رہو! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔''

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ عَمَّارٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ طُوْلَ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ وَ قِصَرَ خُطْبَتِہٖ مِئِنَّۃٌ مِّنْ فِقْھِہٖ فَاَطِیْلُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَقْصِرُوا الْخُطْبَۃَ وَ اِنَّ

مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”کسی شخص کی نماز کی طوالت اور اس کے خطبہ کا اختصار اس کے فقیہ (سمجھ دار) ہونے کی علامت ہے۔ پس نماز کو لمبی کرو اور خطبہ کو مختصر کرو۔ بلاشبہ بعض خطبے جادو ہوتے ہیں۔“

تشریح: ”بعض خطبے جادو ہوتے ہیں۔“ یعنی وہ جادو کا اثر دکھاتے ہیں۔ وہ بہت مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ خطبہ مؤثر ہو، اس کے لیے اس کا طویل ہونا ضروری نہیں۔ مختصر بیان طویل خطبہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (مسلم)

ترجمہ: عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر اپنی پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت ادا کرے تو جنت اس کے لیے واجب ہو جائیگی۔“

تشریح: یعنی ایسی نماز آدمی کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ جنت میں جگہ پا سکے۔ معنوی لحاظ سے وہ دنیا کی زندگی میں ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے، آخرت میں تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے بشرطیکہ اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں سے وہ اپنے کو اس حق سے محروم نہ کر لے۔ اسی حقیقت کا اظہار امام ابن تیمیہؒ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے: اِنَّ فِي الدُّنْيَا جَنَّةً مَنْ لَّمْ يَدْخُلْهَا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ الْاٰخِرَةِ ـــــ ”دنیا میں ایک ایسی جنت ہے کہ جو اس میں داخل نہ ہوا آخرت میں بھی داخل نہ ہو سکے گا۔“

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَافَرَ وَ اَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اونٹنی کو قبلہ رُخ کر کے تکبیر کہتے پھر اونٹنی جدھر بھی چلتی اسی رخ پر نماز پڑھ لیتے۔

تشریح: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نفل اور وتر نماز سواری پر پڑھ لیتے تھے۔ (ابوداؤد) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلامی تعلیم کی رو سے دوسری طرف خدا نہیں ہے یا دوسری سمتیں خدا کی نہیں ہیں جیسا کہ بعض نادان لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو آپ کعبہ کے علاوہ کسی دوسری جانب رخ کر کے ہرگز نماز ادا نہ فرماتے۔ قرآن میں بھی ارشاد ہوا ہے: وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط (البقرہ: ۱۱۵) ''اور پورب اور پچھم اللہ ہی کے ہیں پس جس طرف بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔''

﴿۱۶﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْخَوْفِ بِاِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ رَكْعَةً وَّ طَائِفَةَ الْاُخْرٰى مُوَاجِهَةَ الْعَدُوِّ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فِيْ مَقَامِ اَصْحَابِهِمْ مُقْبِلِيْنَ عَلَى الْعَدُوِّ وَ جَآءَ اُولٰٓئِكَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمِ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَضٰى هٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَّ هٰؤُلَاءِ رَكْعَةً۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خوف کے وقت ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی، دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ پر رہا۔ پھر پہلے گروہ کے لوگ دشمن کے مقابلہ میں دوسرے گروہ کی جگہ جا پہنچے اور وہ (دوسرا گروہ) آیا اور نبی ﷺ نے اس کے ساتھ بھی ایک رکعت ادا فرمائی۔ پھر نبی ﷺ نے سلام پھیرا پھر ہر گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت ادا کر لی۔

تشریح: نمازِ خوف کے بارے میں بہت سی روایات ہیں جن سے نمازِ خوف ادا کرنے کی مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں۔ ائمہ و مجتہدین نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں کسی نہ کسی صورت کو ترجیح دیا ہے۔ چنانچہ اس روایت کو اوزاعی اور اشہب مالکی نے اختیار کیا ہے۔ شافعی کے نزدیک بھی درست ہے۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو سواری پر یا کھڑے کھڑے ہی اشارے سے نماز ادا کر لو۔ (مسلم)

اس حدیث سے بخوبی اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین میں خدا نے کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔

﴿۱۷﴾ وَ عَنْ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ مِنَ اللَّيْلِ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَاَهٗ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَتْ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهٗ مِنَ اللَّيْلِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے رات کا وظیفہ پڑھے بغیر سو گیا یا کچھ اس میں رہ گیا پھر اس نے صبح اور ظہر کی نمازوں کے درمیان میں کسی وقت اسے پڑھ لیا تو اس کے لیے وہ ایسا لکھا جائے گا گویا اس نے رات ہی میں پڑھا۔''

تشریح: یعنی اگر اس نے اپنے مقررہ نوافل نماز اور تسبیح وغیرہ معمول کے مطابق ادا کرنے سے پہلے سو گیا یا معمولات کا کچھ حصہ رہ گیا تھا کہ اسے نیند آ گئی اور اس نے فجر اور ظہر کے درمیان میں کسی وقت اپنے وظیفے کو پورا کر لیا تو اسے پورا اجر ملے گا۔ اس صورت میں گویا اس کے معمول میں فرق نہیں آیا کیونکہ ظہر سے پہلے پہلے اپنے وظیفہ کو پورا کر کے اس نے اس کا ثبوت فراہم کر دیا کہ اصلاً اس کے جذبہ واشتیاق میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔

﴿۱۸﴾ وَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلِحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک یہ نماز ہے اس میں آدمیوں کی سی عام بات چیت کرنی مناسب نہیں ہے۔ نماز تو صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوتِ قرآن ہے۔''

تشریح: مصابیح میں معاویہ بن حکم سے روایت ہے کہ ایک بار ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی کو چھینک آئی۔ میں نے 'یرحمک اللّٰہ' کہا۔ لوگ مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے جو مجھے دیکھ رہے ہو تو لوگ اپنی رانوں کو کوٹنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں، چپ رہا۔ جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ

کے قربان، میں نے نرمی سے بتانے والا ایسا نہیں دیکھا۔ بخدا آپؐ نے نہ تو مجھے مارا نہ برا کہا اور نہ جھڑکا بلکہ نرمی سے یہ بات کہی (جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے)۔

﴿۱۹﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا فُلَانُ اَلَا تُحْسِنُ صَلٰوتَکَ اَلَا یَنْظُرُ الْمُصَلِّیْ اِذَا صَلّٰی کَیْفَ یُصَلِّیْ فَاِنَّمَا یُصَلِّیْ لِنَفْسِهٖ اِنِّیْ لَاَبْصُرُ مِنْ وَّرَائِیْ کَمَا اَبْصُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے فلاں! تم کیوں نہیں حسن و خوبی کے ساتھ اپنی نماز پڑھتے۔ نمازی کیوں نہیں دیکھتا جب نماز پڑھتا ہے کہ کس طرح پڑھتا ہے۔ وہ تو اپنے لیے نماز پڑھتا ہے۔ میں اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے آگے دیکھتا ہوں۔''

تشریح: ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، وہ نماز کی حالت میں ادھر ادھر دیکھ بھی رہا تھا، آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ نصیحت فرمائی جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

نماز باجماعت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَ حَضَرَهَا لَا یَنْقُصُ ذَالِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا۔ پھر وہ (نماز کے لیے) گیا اور دیکھا کہ لوگ نماز ادا کر چکے ہیں اللہ اسے ان لوگوں کے برابر اجر دے گا جو وہاں نماز میں حاضر ہوئے اور نماز ادا کی اور یہ چیز ان کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔''

تشریح: ایک آدمی نماز کا اہتمام کرتا ہے اور پابندی سے جماعت میں شریک ہوتا ہے۔ اگر اتفاق سے کسی دن اسے جماعت سے نماز نہ مل سکی تو بھی اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کے ثواب میں کسی طرح کی کمی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ محض ظاہر کو نہیں دیکھتا اس کے یہاں اصل فیصلہ لوگوں کی نیتوں اور ان کے اخلاص کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوةَ۔ (ابوداؤد) ''جس نے ایک رکعت جماعت کے ساتھ

پالی اس نے پوری نماز پالی۔'' اسے پوری نماز کا ثواب و اجر ملے گا بشرطیکہ اس کے اخلاص اور نیت میں کوئی قصور نہ ہو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفوں کو سیدھی اور برابر کیا کرو کیونکہ صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنا نماز کی اقامت کا جزو ہے۔''

تشریح: یعنی نماز کامل طور سے ادا کرنے اور اس کے اہتمام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جماعت کی صفیں درست اور سیدھی ہوں۔ اعمال کے ظاہر و باطن دونوں طرف توجہ دی جانی چاہیے، دونوں میں سے کسی کو نظر انداز کرنا صحیح نہ ہوگا، دونوں ہی کی درستی پر انسان کی تربیت اور تزکیہ کا انحصار ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ بِهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا کہ حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں، پھر نماز کا حکم دوں اور اس کے لیے اذان دی جائے، پھر ایک شخص کو لوگوں کا امام مقرر کروں پھر لوگوں کی طرف جاؤں (جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے) اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔''

تشریح: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ نماز باجماعت، ایک طرف ہمارا رشتہ خدا سے مضبوط کرتی ہے، دوسری طرف اس کے ذریعہ سے ایک پائیدار اور مستحکم اجتماعیت وجود میں آتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم نماز کے تقاضوں اور اس کے جملہ آداب کا صحیح معنوں میں شعور اور احساس رکھتے ہوں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَ صَلٰوتَهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَ كُلُّ مَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کی نماز جو کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ادا کرتا ہے اس نماز کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے جو وہ تنہا ادا کرے اور جو نماز دو آدمیوں کے ساتھ ادا کی وہ اس نماز سے بہتر ہے جو اس نے ایک آدمی کے ساتھ ادا کی اور پھر جس قدر آدمی زیادہ ہوں اللہ عزوجل کو پسند ہے۔''

تشریح: یعنی جماعت جتنی بڑی ہوگی اتنی ہی زیادہ اللہ کو پسند ہوگی اور اتنا ہی زیادہ ہماری اخلاقی اور روحانی پاکیزگی اور نشو ونما کی موجب ہو سکتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی ایک روایت آتی ہے جس میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔ ''نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا مِنْ ثَلٰثَۃٍ فِیْ قَرْیَۃٍ وَّلاَ بَدْوٍ لاَ تُقَامُ فِیْھِمُ الصَّلٰوۃُ اِلّاَ قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطَانُ فَعَلَیْکَ بِالْجَمَاعَۃِ فَاِنَّمَا یَاْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَۃَ۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بستی یا بادیہ میں تین آدمی ہوں اور وہاں نماز باجماعت کا اہتمام نہ ہوتا ہو تو ان پر شیطان قابو پالیتا ہے تو تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو کھاتا ہے جو گلّے سے دور رہتی ہے۔''

تشریح: جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہو گیا ہو۔ وہاں بھی نماز باجماعت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس حدیث میں ایک مثال کے ذریعہ سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جماعت سے نماز ادا کرنے اور جماعت سے وابستہ رہنے کے فائدے بے انتہا ہیں۔ جماعت کی قوت آدمی کی اصلاح اور اسے حق پر قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

شیطان کی دراندازیوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ بعض لوگ ارادے کے کمزور ہوتے ہیں۔ انفرادی طور پر نماز کا پابند ہونا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ نظمِ جماعت کی وجہ سے وہ بھی آسانی سے نماز کے پابند ہو سکتے ہیں۔ نماز باجماعت سے ایک ایسی روحانی فضا پیدا ہو جاتی ہے جس کا انسان کے دل و دماغ پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ وَ مَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا صَلَّی اللَّیْلَ کُلَّہٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا اس نے نصف شب تک قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اس نے گویا ساری رات نماز پڑھی۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے نماز کے معاملہ میں اس ذوق وشوق اور اہتمام کا مظاہرہ کیا اس نے اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ خدا سے اس کی وابستگی کسی خاص وقت اور ہنگام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ وابستگی دیرپا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس نے عشا اور فجر کی نماز باجماعت ادا کی وہ گویا ساری رات نماز ہی میں رہا، اسے پوری رات کی نماز کا ثواب ملے گا۔

امامت

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ فَاِنَّھُمْ وَفْدُکُمْ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَ رَبِّکُمْ۔ (بیہقی، دارقطنی)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں جو بہتر ہوں انھیں اپنا امام بناؤ کیونکہ وہ تمھارے اور تمھارے رب کے درمیان تمھارے نمائندے ہیں۔“

تشریح: جب امام اللہ کے حضور میں پوری جماعت کی نمایندگی کرتا ہے تو اسے جماعت کا منتخب شخص ہونا ہی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود امامت فرماتے تھے۔ مرضِ وفات میں معذور ہوئے تو اس شخصیت (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو امامت کے لیے مامور فرمایا جو امت کی سب سے افضل شخصیت تھی۔

مسجد کے آداب وفضائل

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَ اَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کے نزدیک تمام آبادیوں میں محبوب ترین مقامات مساجد ہیں اور خدا کے نزدیک سب سے بدترین مقامات بازار ہیں۔“

تشریح: سارے مقامات اور آبادیوں میں سب سے محبوب مقامات خدا کی نگاہ میں مساجد ہیں۔ روئے زمین میں ان سے بڑھ کر مقدس مقامات نہیں ہو سکتے۔ مساجد خدا کی بزرگی اور اس کے تقدس کی یادگار ہیں۔ اسی لیے انھیں خدا کا گھر کہا جاتا ہے۔ وہ ہماری عبادت گاہ ہیں۔ ان میں ایک خدا کی پرستش اور عبادت کی جاتی ہے۔ اس حدیث میں بازار کو سب سے بدترین مقام کہا گیا ہے۔ بازار درحقیقت فتنہ و فساد کی جگہ ہوتا ہے۔ بگڑے ہوئے ماحول کے بازار تو دھوکہ دہی، ایمان فروشی اور ہر طرح کی برائیوں کے اڈے ثابت ہوتے ہیں۔ آج کے بازاروں میں عریانیت، فحاشی اور بے حیائی کا بازار جس طرح گرم نظر آتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ کسی شریف آدمی کے لیے آج بازار میں نگاہ بچا کر نکلنا مشکل ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ جَآءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ یَاْتِ اِلَّا لِخَیْرٍ یَّتَعَلَّمُهٗ اَوْ یُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ مَنْ جَآءَ لِغَیْرِ ذَالِکَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ یَنْظُرُ اِلٰی مَتَاعِ غَیْرِهٖ۔

(ابن ماجہ، البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”جو شخص میری اس مسجد میں محض نیکی کی غرض سے آئے گا، وہ اسے سیکھے گا اور سکھائے گا اس کا مرتبہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہوگا اور جو شخص اس کے سوا کسی اور غرض سے آئے تو وہ اس شخص کے مانند ہوگا جو دوسرے کے مال کو تکتا ہے۔“

تشریح: یعنی ایسا شخص جو کسی اچھی غرض سے میری مسجد نہ آئے وہ بالکل ہی محروم ہے۔ اس کے حصے میں حسرت کے سوا اور کچھ نہیں آ سکتا۔

〈۳〉 وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔''

تشریح: یعنی کعبہ کے سوا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کا جو اجر و ثواب ہے اس کے ہزار گنا ثواب سے بھی زیادہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب ہے۔ حضور ﷺ کی مسجد میں جب اہلِ ایمان پہنچتے ہیں اور وہاں آثارِ رسالت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو دل کے کتنے ہی حجابات اٹھ جاتے ہیں وہاں آدمی کو اپنی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں۔ زندگی کی ساری قدر و قیمت دو سجدوں میں سمٹ آتی ہے۔ ایسی نمازیں خدا کے یہاں جو مرتبہ و مقام بھی حاصل کرلیں وہ کم ہی ہے۔

(۴) وَ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَّکُوْنُ حَدِیْثُھُمْ فِیْ مَسَاجِدِھِمْ فِیْ اَمْرِ دُنْیَاھُمْ فَلاَ تُجَالِسُوْھُمْ فَلَیْسَ لِلّٰہِ فِیْھِمْ حَاجَۃٌ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت حسنؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ وہ اپنی دنیا کی باتیں اپنی مسجدوں میں کریں گے، اس وقت تم ان لوگوں میں نہ بیٹھنا، اللہ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

تشریح: یعنی مسجد میں آنے کے بعد بھی ان کی دنیا کی گفتگو ختم نہ ہوسکے گی۔ مسجد میں داخل ہوکر بھی وہ خدا کی یاد سے غافل رہیں گے۔ خدا کو ایسے لوگ ہرگز پسند نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھ کر اپنا وقت ضائع کرنا، ایسے لوگوں کی گفتگو میں شریک ہوکر اپنی نیکیوں کو ضائع کرنا، سخت نادانی کی بات ہوگی۔ اس لیے ایسے لوگوں سے احتراز لازم ہے۔ شرح الہدایہ میں ابن ہمام کہتے ہیں کہ مباح گفتگو بھی مسجد میں مکروہ ہے، وہ نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

(۵) عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ قَالَ: قِیْلَ لِاَنَسٍ مَّا سَمِعْتَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ فِی الثُّوْمِ فَقَالَ: مَنْ اَکَلَ فَلاَ یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز کہتے ہیں کہ انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے نبی ﷺ کو لہسن کے بارے میں کچھ فرماتے سنا ہے (انھوں نے کہا) آپؐ نے فرمایا ہے: ''جو شخص کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔''

تشریح: اس لیے کہ اس کی بو سے لوگوں کو تکلیف پہنچے گی۔ لہسن یا پیاز اگر اس طرح سے کھائیں کہ بو نہ آئے تو اسے کھا کر مسجد میں آنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ سَمِعَ رَجُلاً یَّنْشُدُ ضَآلَّۃً فِی الْمَسْجِدِ فَلْیَقُلْ لاَ رَدَّھَا اللّٰہُ عَلَیْکَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِھٰذَا۔
(مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کسی شخص کو مسجد میں کسی گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرتے سنے تو کہے کہ خدا کرے تجھے وہ نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس غرض کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔“

تشریح: مسجدیں تو عبادت ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ مسجدیں وہ جگہیں ہیں جہاں پہنچ کر آدمی خدا سے ملاقات کرتا ہے۔ مساجد کو دنیا کے لیے استعمال کرنا خدا سے بے اعتنائی ہے۔ اس طرح کی حرکتیں کر کے آدمی مسجد کی خصوصیت کو پامال کرتا ہے جو کسی سنگین جرم سے کم نہیں۔ پھر ایسا شخص اس بات کا بھی ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ وہ توجہ الی اللہ کی قدر و قیمت سے یکسر ناآشنا اور مسجد کی عظمت و حرمت کا اسے کچھ بھی پاس و لحاظ نہیں ہے۔

نفل نماز و تہجد

﴿۱﴾ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃؓ قَالَ: قَامَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ: لِمَ تَصْنَعُ ھٰذَا وَ قَدْ غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ؟ قَالَ: اَفَلاَ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔
(بخاری و مسلم)

ترجمہ: مغیرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رات کو) اس قدر طویل قیام فرمایا کہ آپؐ کے پاؤں ورم کر آئے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخشے جا چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“

تشریح: یعنی یہ خدا کے احسانات ہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ اپنے رب کی عبادت اور بندگی میں لگ جائے۔ خدا کا شکر گزار بندہ بننے کا بہترین طریقہ یہی ہے۔ وہ لوگ بڑے کم ظرف ہیں جو خدا کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے دل حقیقت میں

ان جذبات واحساسات سے آشنا نہیں ہوتے جو مومن کی اندرونی زندگی کی زرّینی کا حاصل ہیں، جن کے بغیر آدمی کی حیثیت محض گل بے رنگ اور شراب بے کیف کی ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَ اَیْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَ اَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰی فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھا اور نماز پڑھی اور اپنی عورت کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر وہ عورت نہ اٹھے تو اس کے منھ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اللہ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو (نماز کے لیے) جگائے اور وہ بھی نماز پڑھے اور اگر نہ اٹھے تو اس کے منھ پر پانی کے چھینٹے مارے۔“

تشریح: اس حدیث سے قیام لیل کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ رات میں جب دنیا آرام کر رہی ہوتی ہے۔ بستر چھوڑ کر نماز میں خدا کے آگے کھڑا ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آدمی کو اپنے رب سے غیر معمولی تعلق ہے۔ یہ چیز اسے خدا سے زیادہ سے زیادہ قریب کرنے والی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ یُحْشَرُ النَّاسُ فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ فَیَقُوْلُ: اَیْنَ الَّذِیْنَ کَانَتْ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَیَقُوْمُوْنَ وَ هُمْ قَلِیْلٌ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ ثُمَّ یُؤْمَرُ سَآئِرُ النَّاسِ اِلَی الْحِسَابِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت میں تمام لوگ ایک زمین پر جمع کیے جائیں گے، پھر ایک پکارنے والا پکارے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جو رات کو عبادت کرنے کی وجہ سے اپنے بستروں کو خالی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پس وہ اٹھیں گے اور وہ تعداد میں کم ہوں گے۔ انھیں بلا حساب جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ پھر باقی تمام لوگوں سے حساب لینے کا حکم ہوگا۔“

تشریح: اس حدیث سے ایک بڑی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ جو بندے شب بیدار ہوتے ہیں، رات کو جب دنیا آرام کررہی ہوتی ہے تو وہ اپنے بستر چھوڑ کر خدا کے آگے کھڑے ہوتے ہیں، خدا کے آگے رکوع وسجود کرتے، اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور اس سے اس کے فضل وکرم کی درخواست کرتے ہیں۔ خدا کے ایسے بندوں کی زندگی اتنی پاکیزہ ہوتی ہے کہ ان کا حساب دنیا ہی میں صاف ہوجاتا ہے، وہ کسی طرح کی آلائش لے کر خدا کے حضور میں حاضر نہیں ہوتے۔ آخرت میں وہ بلا کسی حساب کے جنت میں داخل کردیے جائیں گے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلٰوةُ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیانِ شب کی نماز ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے نمازِ تہجد کی فضیلت اور اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ نمازِ تہجد خدا سے خصوصی تعلق پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: عَلَیْكُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّهٗ دَابُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَكُمْ وَ هُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰی رَبِّكُمْ وَ مَكْفَرَةٌ لِلسَّیِّئَاتِ وَ مِنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ضرور قیامِ لیل کیا کرو۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور وہ تمھارے لیے قربتِ رب (کا ذریعہ) ہے اور برائیوں (کے اثرات) کو مٹانے والی اور گناہ سے روکنے والی چیز ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں قیام لیل یعنی تہجد کی نماز کی برکتوں اور اس کی خصوصیات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نماز تہجد میں وہ ساری خصوصیات موجود ہوتی ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے صحیح طریقہ سے پورے اخلاص کے ساتھ ادا کیا جائے اور اس کے آداب کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ تہجد کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں بڑا ہی سکون اور کامل یکسوئی حاصل ہوتی ہے پھر بستر کا آرام چھوڑ کر نماز پڑھنا تربیت کا بھی ایک مؤثر

ذریعہ ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِيلاً ط ’’رات کا سماں جو ہے وہ نہایت سازگاری رکھتا ہے اور اس کی بات نہایت سدھی ہوئی ہوتی ہے۔‘‘ (المزمل: ۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ق صلے عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ ’’اور کچھ وقت اس (قرآن) کے ساتھ جاگتے رہو۔ یہ تمھارے لیے نفل ہے، قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں مقامِ محمود پر کھڑا کرے۔‘‘ (بنی اسرائیل: ۷۹)

حدیث میں آیا ہے کہ روزوں میں سب سے پسندیدہ حضرت داؤد کا روزہ ہے کہ وہ نصف زمانہ روزہ رکھتے تھے (یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور نمازوں میں بھی سب سے محبوب نماز داؤد کی ہے۔ وہ نصف شب تک پہلے سو لیتے تھے۔ پھر اٹھتے اور آخر میں پھر سو جاتے تھے اور نصف شب میں جب اٹھتے تو رات کے تہائی حصہ تک نماز پڑھتے۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شب میں (تہجد کے لیے) اٹھے تو چاہیے کہ دو رکعتیں ہلکی پڑھے۔ (مسلم) اس سے کسل دور ہوگا، پھر وہ پورے نشاط کے ساتھ لمبی نمازیں بھی ادا کر سکتا ہے۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ جب کوئی تم میں سے شب میں اٹھے لیکن (نیند کے سبب) قرآن صاف نہ پڑھا جا سکے اور اسے اس کی خبر نہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہے تو اسے لیٹ رہنا چاہیے۔ (مسلم)

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَشْرَفُ اُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَ اَصْحَابُ اللَّيْلِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’میری امت کے اشراف (بلند مرتبہ لوگ) قرآن کے حاملین اور شب بیدار لوگ ہیں۔‘‘

تشریح: یعنی میری امت میں امتیازی اور نمایاں حیثیت کے مالک اور بلند مرتبہ لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے ہیں اور راتوں میں جب کہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں وہ اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ خدا کی نگاہ میں حاملین قرآن اور ان ’’بے خواباں‘‘ حضرات کو بلند سے بلند مقام ملنا ہی چاہیے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِيْ مَالِكِ الْاَشْعَرِيِّ رض قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُّرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ

الْکَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ تَابَعَ الصِّیَامَ وَ صَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔
(البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر سے باہر کی چیزیں نظر آتی ہیں اور باہر سے اندر کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اللہ نے ان کو ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو نرمی سے باتیں کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں، پے در پے روزے رکھتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جبکہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔''

تشریح: یہ آدمی کے مزاج وطبیعت اور اس کے شعور کی پاکیزگی اور لطافت کی بات ہے کہ اس کی گفتگو شیریں اور نرم ہو، اسے دوسرے کے درد اور بھوک کا خیال ہو، اسے کھانا پینا ہی نہیں خدا کے لیے اپنے کو کھانے پینے سے فارغ رکھنا بھی عزیز ہو، وہ تنہائی اور رات کے سناٹے میں جبکہ دنیا آرام کر رہی ہو اپنے دل کی بے آرامی اور اضطراب لیے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہو اور اس سے اس کی رضا و مغفرت طلب کرے۔ اللہ کے یہاں ایسے لوگوں کا اجر بھی نہایت پاکیزہ عطا فرمایا جائے گا یہاں تک کہ انھیں جو بالا خانے ملیں گے وہ بھی حد درجہ نورانی اور پاکیزہ ہوں گے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ بِثَلَاثٍ بِصِیَامِ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مِّنْ کُلِّ شَھْرٍ وَّ رَکْعَتَیِ الضُّحٰی وَ اَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَرْقُدَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میرے محبوبؐ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی: ''ہر مہینے تین دن کے روزے، چاشت کی دو رکعتیں اور یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔''

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَ یَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْئٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَکْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ میرا بندہ میرا تقرب کسی دیگر عمل سے جو مجھے پسند ہو اتنا حاصل نہیں کرسکتا جتنا اس عمل سے حاصل کرسکتا ہے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے گا تو میں اسے دوں گا اور اگر وہ میری پناہ میں آنا چاہے گا تو میں اسے اپنی پناہ میں لے لوں گا۔ اور مجھے کسی کام کے کرنے میں جو مجھے کرنا ہے اتنا تردّد نہیں ہوتا جتنا تردّد مجھے مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ وہ موت سے دلگیر ہوتا ہے اور مجھے اس کا دلگیر ہونا گوارا نہیں ہوتا اور موت اس کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث سے مومن کی زندگی میں نوافل کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فرائض کا درجہ اگرچہ دین میں سب سے بڑھا ہوا ہے اس لیے سب سے پہلے فرائض ہی ہماری توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ نوافل اس بات کی علامت ہیں کہ بندہ طاعت و بندگی کو اپنے لیے کوئی ناگوار بوجھ نہیں سمجھتا، بلکہ وہ خدا کی اطاعت میں زیادہ سے زیادہ سرگرم رہنا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ خدا کی خاص عنایت کا مستحق قرار پاتا ہے اور خدا اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کی واضح علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح مرضی رب کے تابع ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے بندہ خلقِ ربّانی کا مظہر بن جاتا ہے اور ایسا ہی شخص ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آئے۔

ایک خاص بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ خدا مومن کو دل گیر و کبیدہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتا۔ خدا تمام تر استغناء اور جلالتِ شان کے باوجود اس کی خبر گیری فرماتا ہے۔ اس کی جانب سے اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ بندے کی موت ایک فطری امر ثابت ہو۔ اسی لیے عام حالات میں موت کی باری بیماری اور کبرسنی کے بعد آتی ہے جبکہ انسان کا دل دنیا سے سرد ہوجاتا ہے اور وہ آلام اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایسے موقع پر موت ہی اس کے لیے چارہ ساز ہوتی ہے۔ پھر مومن کے لیے موت کو ہلاکت نہیں بتایا گیا بلکہ اسے لقائے رب

سے تعبیر کیا گیا جو انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ خدا مومن بندے کے لیے متردد ہوتا ہے۔ قربان جائیے خدائے رب العزت کی اس شانِ رحمت پر۔ تردد کا حقیقی مفہوم وہی ہو سکتا ہے جو خدا کے شایانِ شان ہو لیکن اس سے مومن کے اعزاز و اکرام کا اندازہ تو ہم کر ہی سکتے ہیں۔

نماز کسوف وخسوف

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰهِ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهٗ وَ اِنَّهُمَا لاَ یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ فَاِذَا رَاَیْتُمْ مِّنْهَا شَیْئًا فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ حَتّٰی یُکْشَفَ مَا بِکُمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سورج اور چاند خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، خدا ان کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے اور ان میں گرہن کسی کی موت واقع ہونے کے سبب سے نہیں لگتا۔ پس جب تم اسے دیکھو تو نماز پڑھو اور خدا سے دعا کرو یہاں تک کہ وہ چیز جو تمھیں پیش آئی دور ہو جائے۔“

تشریح: روایات میں ہے کہ گرہن کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو لوگوں نے کہا کہ گرہن ان کی موت کی وجہ سے لگا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہیں ان میں گرہن نہ تو کسی کی موت سے لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش سے۔ پس جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا کرو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ (بخاری، مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط خیال کی تردید فرمائی اور یہ حقیقت واضح کی کہ چاند، سورج، ان کا طلوع وغروب اور ان میں گرہن لگنا خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان میں گرہن کسی کے مرنے سے نہیں لگتا، بلکہ اس سے خدا کی عظمت وقدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ گرہن دیکھ کر آدمی کو ڈرنا چاہیے کہ جو خدا چاند کو تاریک کر سکتا ہے۔ جو سورج کی روشنی کو ہم سے روک سکتا ہے وہ اپنی بے پایاں نوازشوں اور عنایتوں کو بھی ہم سے چھین سکتا ہے اس لیے اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، اس سے بے خوف ہو کر زندگی گزارنی کسی طرح سے بھی صحیح نہیں ہے۔

صدیوں پہلے گرہن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی تھی بعد کی سائنس کی

تحقیقات سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے کہ گرہن کے بارے میں اوہام میں مبتلا ہونا اہل ایمان کے لیے قطعاً نادرست ہے۔

نمازِ جمعہ

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَ فَضْلَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”جس شخص نے غسل کیا اور جمعہ میں آیا اور جس قدر اس کے لیے مقدر تھا نماز ادا کی اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد خاموش رہا، پھر امام کے ساتھ نماز ادا کی، اس کی اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں بلکہ مزید تین دن کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔“

تشریح: جس طرح کسی گھڑی کا صحیح وقت بتانا اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس کے تمام پُرزے درست ہیں اور اس میں خرابی نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح کسی مومن بندے کا نیک عمل اس کے دین وایمان کی صحت ودرستی کی علامت ہوا کرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ عمل صحیح معنوں میں اپنے ظاہر وباطن کے لحاظ سے عمل نیک ہو۔ کسی عمل کے زیرِ اثر آدمی کی پوری شخصیت آتی ہے۔ عمل آدمی کی پوری شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بڑے سے بڑا گنہگار بھی اگر سچے دل سے خدا کی جانب رجوع ہو تو وہ ایک لمحہ میں کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔ نمازِ جمعہ میں حاضری ایک بڑا عمل، دینی احساس وشعور کی علامت اور شعارِ امت ہے۔ سچے اور پورے دل کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہونا اسلامی زندگی کی صحت ودرستی کی علامت ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی خدا کا سچا فرماں بردار بندہ ہے۔ اگر پچھلے چھ دنوں میں اس سے خطائیں بھی سرزد ہوئی ہوں تو اب وہ خطائیں اس کے ساتھ لپٹی ہوئی نہیں ہیں۔ پچھلے جمعہ میں حاضری کے وقت اس کی جو حالت تھی، آج وہ اسی بہترین حالت میں ہے۔ اگر وہ بلا کسی عذر کے جمعہ میں حاضر نہ ہوتا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ یہ شخص اس سے بالکل مختلف ہے جو گزشتہ جمعہ کو تھا۔ جمعہ کا دن درحقیقت پورے ہفتہ کے حساب کا دن ہوتا ہے۔ جو شخص جمعہ میں حاضر ہی نہیں ہوتا وہ اپنا حساب اپنی گردن

پر لیے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ ایک بھاری بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہوتا ہے لیکن اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔

〈۲〉 وَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَ اِنْ دَخَلَهَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حاضر ہو خطبے میں اور نزدیک رہو امام کے، کیونکہ آدمی ہمیشہ دور رہتے رہتے جنت میں بھی تاخیر سے داخل ہوگا اگرچہ جنت میں وہ داخل ہو جائے گا۔“

تشریح: یعنی جس طرح دنیا میں پیچھے رہتا تھا اسی طرح جنت میں بھی بعد میں داخل ہو سکے گا۔ معلوم ہوا کہ آدمی دنیا میں جو روش اختیار کرتا ہے ٹھیک اسی کے مطابق آخرت میں اس کا انجام ہوگا۔ کسی کی آخرت کی زندگی کی غماز خود اس کی موجودہ زندگی ہوتی ہے۔

نماز عید الفطر وعید الاضحیٰ

〈۱〉 عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَءُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَ يُوْصِيْهِمْ وَ يَاْمُرُهُمْ وَ اِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ يَاْمُرَ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید قرباں کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے اور سب سے پہلے نماز شروع کرتے۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے۔ لوگ بدستور اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، پھر آپؐ انھیں وعظ ونصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے اور کہیں آپؐ کو کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کو روانہ فرماتے یا کوئی خاص حکم دینا ہوتا تو وہ بھی دیتے پھر واپس ہوتے۔“

تشریح: یہ ہے اسلامی تیوہار منانے کا فطری طریقہ جو اس حدیث میں ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تیوہار کے روز آپ اور آپ کے صحابہؓ ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہو جاتے تھے اور نہ وہ کسی طرح کے لہو ولعب میں مبتلا ہوتے تھے۔ عید کا دن مسلمانوں کی خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے۔ مسلمان رمضان میں مسلسل ایک مہینہ روزہ رکھ کر خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ عید کے دن

انھیں امید ہوتی ہے کہ خدا ان کے عمل کو ضرور قبول فرمائے گا اور ہر طرح کی برائیوں سے پاک کر کے انھیں پاکیزہ زندگی عطا کرے گا۔ عید کا دن آخرت کی خوشی اور کامیابی کا مظہر ہے۔ عید کی خوشی کوئی معمولی خوشی نہیں ہوتی۔ یہ خوشی مسلمانوں کی زندگی اور ان کی قومی وملی حیات کی علامت ہے۔ عید کی خوشی امتِ مسلمہ کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں ایک امتیازی شان بخشتی ہے۔ دنیا نے خوشی منانے کے جو بھی طریقے ایجاد کیے ہیں ان میں بنیادی طور پر اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ آدمی کے لیے لطف ولذت کا سامان ہوں۔ اس غرض کے لیے عام طور پر گمراہی اور عامیانہ پن کی وجہ سے دنیا نے راگ رنگ اور گانے بجانے کا ہی سہارا لیا۔ اسلام نے عید منانے کا جو طریقہ سکھایا وہ یہی نہیں کہ ہر طرح کی برائیوں اور نقائص سے پاک ہے بلکہ حسن وصداقت، پاکیزگی اور انبساط ومسرت کا اعلیٰ ترین مظہر بھی وہی ہے۔ خوشی اور مسرت کے اظہار کا اس سے بہتر اور کامل طریقہ ممکن نہیں۔ اسلام کا سکھایا ہوا طریقہ اعلیٰ ترین تہذیب کا مظہر ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے لیے وہی شعار پسند کیا جو انسانی فطرت کے مطابق اور صحت مند زندگی کی علامت ہے۔

انسان خدا کا بندہ ہے، یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہی نہیں بلکہ زندگی کا سب سے وجد انگیز پہلو بھی یہی ہے۔ اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خدا پرستی کے جذبات کی پوری رعایت پائی جاتی ہے۔ جذبۂ عبودیت انسان کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ اس جذبہ میں معلوم نہیں زندگی کے کتنے دل کش نغمات پنہاں ہیں۔ بندے اور خدا کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جس پر دنیا کی تمام لطافتیں اور رعنائیاں نثار کی جاسکتی ہیں۔ انسان کے لیے مجد وشرف اور حقیقی کیف وانبساط کی چیز وہ تعلق اور نسبت ہے جو اس کے اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے ؎

ہزار جان گرامی فدا بایں نسبت

اسلام نے عید منانے کا جو طریقہ سکھایا ہے اس سے اس تعلق کا جو خدا اور بندے کے درمیان پایا جاتا ہے، بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ عید میں خوشی کا اظہار خاص طور سے نماز اور تکبیر کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ اظہارِ مسرّت کے علاوہ یہ خدا کے حضور بندے کی جانب سے ادائے شکر بھی ہے۔ مومن کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب اور راحت بخش حالت وہی ہے جس میں اس تعلق کا

اظہار بدرجۂ اتم ہوتا ہو جو خدا اور اس کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے حالتِ رکوع و سجود سے بڑھ کر کون سی حالت ہو سکتی ہے جس کو یہ خصوصیت حاصل ہو۔

نماز اپنی عبودیت اور خدا کی آقائی اور اس کی عظمت اور کبریائی کے اظہار کا بہترین اور کامل ترین ذریعہ ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان پائے جانے والے تعلق و نسبت کا یہ اظہار زندگی کا سب سے شیریں نغمہ ہے۔

عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کرنے کا بھی حکم ہے۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ نے فرمایا: مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ۔ "ابنِ آدم کا کوئی عمل قربانی کے دن (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ عیدالاضحیٰ کے دن) اللہ کو خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔"

نماز کی طرح قربانی بھی مومن کی ان قلبی کیفیات و جذبات کا اظہار اور ان کی مرئی شکل ہے جو وہ اپنے خدا کے سلسلہ میں رکھتا ہے۔ بندۂ مومن کے اندر خدا کے لیے انتہا درجہ کی حوالگی اور فدائیت کا جذبہ پایا جاتا ہے، یہی اسلام کی اصل روح ہے۔ اس طرح اسلام بذاتِ خود ایک قربانی ہے۔ جانوروں کا خون بہا کر بندہ اس کا اظہار کرتا ہے کہ خدا کے لیے اس کی جان تک قربان ہے۔ جب بھی خدا کے راستہ میں جان دینے کی ضرورت ہوگی وہ اس سے دریغ نہیں کرے گا۔

یہ قربانی حضرت ابراہیمؑ کی ایک عظیم یادگار بھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو کعبہ کی خدمت کے لیے خاص کر لیا۔ اس طرح تعمیر کعبہ کے اصل مقاصد کی تکمیل ان کی زندگی کا اصل نصب العین قرار پایا۔

گوشت کے لیے انسان جانوروں کو ذبح کرتا ہی ہے۔ قربانی کا حکم دے کر اس عمل کو اسلام نے ایک عظیم روحانی و اخلاقی فائدے کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قربانی کا حکم بھی اسلام کے ان احکام میں سے ہے جو اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام کا راستہ زندگی کے درمیان سے گزرتا ہے نہ کہ اس سے ہٹ کر۔ اسلام انسانی زندگی اور اس کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتا۔

❀❀

زکوٰۃ

خدا کے بعد ہم پر اس کے بندوں کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ دین درحقیقت خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کے ادا کرنے کا دوسرا نام ہے۔ نماز اور زکوٰۃ ہمیں انھی دو قسموں کے حقوق کی یاد دلاتے ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ جو کتابِ الٰہی کی حکمتوں پر گہری نظر رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

اَصلُ الصَّلٰوۃِ رُکُوۡنُ الۡعَبۡدِ اِلٰی رَبِّہٖ مَحَبَّۃً وَّ خَشۡیَۃً وَ اَصلُ الزَّکٰوۃِ رُکُوۡنُ الۡعَبۡدِ اِلَی الۡعَبۡدِ مَحَبَّۃً وَّ شَفۡقَۃً۔

(تفسیر نظام القرآن۔ صفحہ ۹)

''نماز کی حقیقت بندے کا اپنے رب کی طرف محبت اور خشیت سے مائل ہونا ہے اور زکوٰۃ کی حقیقت بندے کا بندے کی طرف محبت اور شفقت سے مائل ہونا ہے۔''

دین کی اس بنیادی حقیقت کی طرف قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اشارہ فرمایا گیا ہے۔ توریت اور انجیل میں بھی اس بنیادی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[1] قرآن، نماز اور زکوٰۃ کو

---

(۱) ''ایک عالمِ شرع نے آزمانے کے لیے اس سے پوچھا: اے استاد! توریت میں کون سا حکم سب سے بڑا ہے؟ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ! بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کے مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ! ان دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔''
(متی ۲۲:۳۵-۴۰)

ایک دوسری جگہ ہے: ''خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ! دوسرا یہ کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ! ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔'' (مرقس: ۱۲:۲۸)

بنیادی اہمیت دیتے ہوئے انھیں اصل دین قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ

(البینۃ:۵)

''اور انھیں تو اسی بات کا حکم ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی ٹھیک دین ہے۔''

دین درحقیقت خدا اور اس کے بندوں، دونوں کے حقوق کے ادا کرنے کا نام ہے۔ اس کی تصدیق احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ہم یہاں اختصار کے پیشِ نظر ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ثَلٰثَةٌ لَا تُرْفَعُ لَهُمْ صَلٰوتُهُمْ فَوْقَ رُءُ وْسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَّ هُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَ اَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔ (ابن ماجہ) ''تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں اٹھتی۔ ایک وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ دوسرے وہ عورت جس نے شب اس طرح گزاری ہو کہ اِس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ اور تیسرے دو بھائی جو آپس میں قطع تعلق کرلیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا اور اس کے بندوں، دونوں کے حقوق پہچانے اور ادا کرے۔ خدا کا حق بھی صحیح معنوں میں اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی خدا کے بندوں کے حقوق بھی ادا نہ کرے۔

زکوٰۃ ادا کرکے انسان صرف ایک فرض کے ادا کرنے سے ہی سبکدوش نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کی اپنی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ تکمیل وتزکیہ ہی احکامِ شریعت کا بنیادی مقصد ہے۔ جس چیز کا نام دین میں حکمت ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ علم وبصیرت کے ساتھ انسان کے نفس کی تربیت اور تزکیہ ہو۔ زکوٰۃ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے آدمی تزکیہ حاصل کرے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نمو کے ہیں۔ زکوٰۃ دینے سے آدمی خود غرضی، تنگ دلی اور زرپرستی کی بری صفات سے نجات پاتا ہے۔ اس کی روح کو پاکیزگی اور بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَیO الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰیO (الیل:۱۷-۱۸)

''اور اس (جہنم) سے دور رکھا جائے گا وہ شخص جو اللہ کا ڈر رکھتا ہے اور اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے تزکیہ حاصل کرنے کے لیے۔''

ایک دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَکِّیْهِمْ بِهَا (التوبہ:۱۰۳)

''ان کے مالوں میں سے صدقہ لو جس کے ذریعہ سے انھیں پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔''

زکوٰۃ کا یہ بنیادی مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ زکوٰۃ دینے کے ساتھ ساتھ اس مقصد کے حاصل کرنے کی سچی طلب اور عملی اہتمام بھی پایا جاتا ہو۔ آدمی زکوٰۃ محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دے، اس کے پیچھے کوئی اور محرک نہ ہو، اس کی زکوٰۃ نہ نام ونمود کے لیے ہو اور نہ اس کا مقصد غریبوں اور محتاجوں پر احسان جتانا ہو۔

قرآن میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے کہ آدمی کا دین اور اس کا ایمان اسی وقت کامل ہوگا اور اسے حقیقی اور روحانی زندگی اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ اللہ کی محبت سب محبتوں پر غالب آجائے اور دنیا کے مقابلہ میں آدمی آخرت کو ترجیح دینے لگ جائے۔ نماز اگر آدمی کا رشتہ خدا سے جوڑتی ہے تو زکوٰۃ اسے دنیا پرستی سے بچاتی اور مال کی محبت دل سے نکالتی ہے۔ زکوٰۃ دیکر آدمی اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل نہیں ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے اسے وہ خدا ہی کی ملک سمجھتا ہے۔ وہ اس میں سے غریبوں اور محتاجوں کا بھی حق نکالتا ہے اور خدا ہی کے حکم سے وہ اسے اپنے استعمال میں بھی لاتا ہے۔ اہلِ تقویٰ کا یہ خاص شعار ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَO (الاعراف:۱۵۶)

''تو میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

زکوٰۃ ادا کرنے سے آدمی کا نفس بھی پاک ہوتا ہے اور اس کا مال بھی پاک ہو جاتا ہے

لیکن اگر وہ اتنا خود غرض ہے کہ وہ خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے خدا کا حق ادا نہیں کرتا تو اس کا مال بھی ناپاک رہتا ہے اور اس کا نفس بھی ناپاک رہتا ہے۔ نفسِ انسانی کے لیے تنگ دلی، احسان فراموشی اور خود غرضی سے بڑھ کر گھٹن اور ناپاکی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ ان لوگوں کے مسئلہ کا حل ہے جو غریب اور محتاج ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کریں اور کوئی بھائی ننگا، بھوکا اور ذلیل وخوار نہ ہونے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ جو امیر ہیں وہ تو اپنے عیش و آرام ہی میں مست رہیں اور قوم کے یتیموں، محتاجوں اور بیواؤں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو۔ انھیں یہ بات محسوس کرنی چاہیے کہ ان کی دولت میں دوسرے حاجت مندوں کا بھی حق ہے۔ اس میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو صاحبِ صلاحیت ہونے کے باوجود سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ان کی دولت میں ان غریب بچوں کا بھی حق ہے جو مفلسی کی وجہ سے تعلیم نہیں حاصل کر سکتے اور ان کی دولت میں ان معذوروں اور کمزوروں کا بھی حق ہے جو کسی کام کے قابل نہیں ہیں۔

پھر جو رقم بھی قوم اور جماعت کی بھلائی کے لیے خرچ کی جاتی ہے وہ ضائع نہیں ہوتی۔ جو روپیہ بھی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے خرچ ہوتا ہے وہ بے شمار فوائد کا سبب بنتا ہے جن سے خود خرچ کرنے والے شخص کو بھی بے شمار فائدے پہنچتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے سرمایہ کو اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہتا ہے یا لوگوں سے سود لے کر اسے بڑھانا چاہتا ہے وہ درحقیقت اپنی دولت کی قدر (Value) کو گھٹاتا اور خود اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ (البقرہ:۲۷۶)

''اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِىۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ۝ (الروم:۳۹)

''تم جو سود اس غرض سے دیتے ہو کہ لوگوں کے مال کو بڑھائے تو اللہ کے نزدیک اس

سے دولت نہیں بڑھتی۔ ہاں جو زکوٰۃ تم خدا کی خوشنودی کے لیے دو وہ بڑھتی چلی جائے گی۔"

زکوٰۃ کا ایک اہم مقصد نصرتِ دین اور حفاظتِ دین بھی ہے اللہ کے دین کے لیے جو جدو جہد کی جا رہی ہو اور جو جنگیں لڑی جا رہی ہوں ان کے سلسلہ میں بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ (التوبہ:۶۰)

مال کی جو تھوڑی سی مقدار زکوٰۃ کے طور پر فرض کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مال دار بس اتنا ہی خرچ کریں۔ اس کے بعد اگر کوئی ضرورت مند آجائے یا دین کی خدمت کا کوئی موقع آجائے تو خرچ کرنے سے صاف انکار کر دیں، بلکہ اس کا مطلب حقیقت میں یہ ہے کہ کم از کم متعین مال تو ہر مال دار شخص کو خرچ کرنا ہی چاہیے۔ اس سے زیادہ جتنا بھی ہو سکے اسے صرف کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ ایک خاص مقدار سے کم مال پر فرض نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ جن لوگوں کے پاس اس خاص مقدار سے کم مال ہے وہ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہی نہ کریں۔ اللہ کے راستے میں جس کسی سے بھی جو کچھ ہو سکے وہ خرچ کرے۔ اس میں خود اس کا اپنا فائدہ ہے۔

زکوٰۃ کے لیے ایک اہم چیز یہ بھی ہے کہ لوگوں کی زکوٰۃ ایک مرکز پر جمع کی جائے۔ پھر وہاں سے ایک نظم اور ضابطہ کے ساتھ اسے خرچ کیا جائے۔ جس طرح فرض نماز جماعت کے ساتھ ایک امام کی اقتدا میں ادا کی جاتی ہے اسی طرح زکوٰۃ کا بھی ایک اجتماعی نظم ہو جس کے تحت زکوٰۃ وصول کی جائے اور پھر اسے باضابطہ خرچ کیا جائے۔ اس طرح زکوٰۃ سے معاشرہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ مَعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَاْتِىْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاۤءِ هِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآئِهِمْ فَاِنْ هُمْ

اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَ کَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَیْسَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذؓ کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو فرمایا: ”تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہلِ کتاب ہیں تو تم انھیں اس امر کی شہادت کی طرف بلانا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان کے غریبوں کو لوٹا دیا جائے گا۔ اگر وہ اس بات کو بھی مان لیں تو خبردار ان کے اعلیٰ درجے کے مال (چھانٹ چھانٹ کر) نہ لینا اور مظلوم کی پکار سے بچنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔“

تشریح: اس روایت سے چند اہم امور پر روشنی پڑتی ہے۔ جو شخص اسلامی حکومت کی طرف سے گورنر یا حاکم بنایا جائے اس کا اولین فرض لوگوں کو خدائے واحد کی طرف دعوت دینا ہے۔ دیگر تمام مقاصد ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ غیر اسلامی حکومت میں گورنر کی بنیادی ذمہ داری نظم و نسق کو درست رکھنا ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی نظامِ حکومت میں چھوٹے بڑے ہر کارندے کا پہلا کام لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف بلانا ہے۔ جس حکومت کا پہلا کام مخلوقِ خدا کو حق کی دعوت دینا ہو وہ حکومت دنیا کو رحمت سے بھر دے گی۔ اس حکومت میں ظلم اور ناانصافی کو پھولنے پھلنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے سامنے دین کو پیش کرنے میں ہمیشہ حکمت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جس قوم کو بھی ہم دین کی طرف دعوت دیں اس کی نفسیات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، پھر دین کو بیک وقت پورا کا پورا پیش کرنے کے بجائے پہلے بنیادی باتیں تدریج کے ساتھ پیش کرنی چاہئیں۔ اس سے دین کو سمجھنے اور اس کو ماننے میں آسانی ہوگی۔ توحید و رسالت پر ایمان لانے کے بعد اوّلین چیز نماز ہے۔ نماز کا وقت آجانے پر صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ کون شخص اس بات کا اقرار و اعلان کرتا ہے کہ وہ خدا کا بندہ ہے اور خدا ہی کی اطاعت و بندگی میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اور کون خدا سے بے رخی اختیار کرتا ہے۔ نماز کے بعد دوسری چیز زکوٰۃ

ہے۔ زکوٰۃ کی دو صورتیں ہیں: ایک تو مجرد زکوٰۃ یا صدقہ ہے جسے اہل ایمان اپنے مالوں میں سے ہر وقت ادا کرتا رہتا ہے اور حتی الوسع ضرورت مندوں کی اعانت کرتا ہے۔ زکوٰۃ کی دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے مال میں سے از روئے قانون ایک متعین مقدار نکالتا ہے۔ اس حدیث میں اسی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ وہ سماج کے مال داروں سے لی جاتی ہے اور سماج ہی کے غریبوں اور ضرورت مندوں پر صرف کی جاتی ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کی اعانت زکوٰۃ کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اللہ نے مال داروں کے اموال میں غریبوں کا حق رکھا ہے۔ غریبوں کا حق ان تک پہنچانا مال داروں پر واجب ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ ''ان کے مالوں میں سائلوں اور تہی دستوں کا متعین حصہ ہوتا ہے۔'' (المعارج: ۲۴)

حضور ﷺ نے عامل کو یہ ہدایت کی کہ وصولی کے وقت اچھے اچھے مال چھانٹ کر نہ لیے جائیں بلکہ اوسط درجہ کا مال لیا جائے۔ اس ہدایت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ اپنا سب سے اچھا مال زکوٰۃ میں پیش کرتے لیکن لینے والا لینے سے انکار کرتا یہاں تک کہ یہ معاملہ خلیفۃ المومنین کی خدمت میں لایا جاتا۔ ہدایت کا منشا، یہ ہے کہ عامل اپنی مرضی سے چھانٹ کر نہ لے۔ ہاں اگر زکوٰۃ دینے والا اپنی خوشی سے چھانٹ کر اچھا مال پیش کرے تو اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

اس حدیث میں مظلوم کی بددعا سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ لوگوں پر زیادتی نہ کی جائے۔ خدا ان کی پکار کو جلد سنتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالاً قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ۔ (مسند شافعی، تاریخ کبیر، بخاری، مسند حمیدی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''صدقہ جب کسی مال میں مخلوط ہوگا (نکالا نہ جائے گا) تو وہ اس کو تباہ کر کے چھوڑے گا۔''

تشریح: یعنی اگر مال میں زکوٰۃ کا حصہ ملا ہوا ہوگا، نکال کر مستحقین کو نہیں دیا جائے گا تو یہ چیز آدمی کے دین و ایمان کو تو تباہ کرنے والی ہے ہی، ساتھ ہی اس کا پورا سرمایہ بھی اس کے ظلم کے سبب تباہ ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی وجہ سے آدمی کا سارا مال ناقابلِ استعمال قرار پاتا ہے۔

زکوٰۃ نہ دے کر آدمی اپنے سارے مال کو ناپاک کر دیتا ہے۔ اس سے بڑی ہلاکت اور بدبختی کی کیا بات ہوسکتی ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی اپنے مال کو ناپاک اور تباہ کرتا ہے جو زکوٰۃ کا مستحق نہ ہونے کے باوجود زکوٰۃ لے کر اپنے مال میں شامل کرتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ (یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ) ثُمَّ یَقُوْلُ: اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ قَرَأَ: وَلاَ یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ۔ الاٰیة۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کو اللہ نے مال دیا، پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو اس کا مال قیامت کے دن نہایت زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کرلے گا جس کے (سر پر) دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ اور وہ قیامت کے دن اس (کے گلے) کا طوق بن جائے گا پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑیگا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔“

پھر آپؐ نے تلاوت فرمایا: وَلاَ یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط (اٰل عمران:۱۸۰)

”وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں جسے اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے۔ جو کچھ انھوں نے بخل کیا ہوگا آگے وہی قیامت کے دن ان (کے گلے) کا طوق بن جائے گا۔“

تشریح: سانپ کا گنجا ہونا اس کے انتہائی زہریلا ہونے کی علامت ہے۔ زکوٰۃ دینے سے جو مال قیامت کے دن اس کی راحت اور آرام کا سبب بن سکتا تھا اس دن مصیبت بن کر اس کی جان کو لاگو ہوگا۔ بخیل اور زر پرست حبِ مال کے سبب سے اپنی دولت سے لپٹا رہتا ہے۔ اپنے مال اور خزانے پر سانپ بنا رہتا ہے، دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیتا اس کا انجام اس شکل میں اس کے سامنے آئے گا کہ اس کی دولت اور اس کا خزانہ اس کے لیے سانپ بن جائے گا اور اسے ڈستا رہے گا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَشَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو زمین بارش کے پانی سے یا بہتے چشمے سے سیراب ہوتی ہو یا دریا کے نزدیک ہونے کے سبب پانی دینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ (بطور زکوٰۃ) نکالا جائے گا اور جس کو مزدور لگا کر سینچا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔“

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو واجب کیا تا کہ لغو اور بے حیائی کی باتوں کا جو روزے میں سرزد ہوگئی ہوں کفارہ بنے اور مسکینوں کے کھانے کا نظم ہو جائے۔

تشریح: رمضان کے ایک ماہ کے روزے رکھنے کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکید ہے کہ گھر کے سبھی لوگوں کی طرف سے نماز عید سے پہلے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔ اس صدقہ کے واجب ہونے کی دو مصلحتیں اس حدیث میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ روزہ دار سے روزے کی حالت میں کوشش کے باوجود جو کوتاہی یا کمزوری ظاہر ہوئی ہو صدقہ کے ذریعہ سے اس کی تلافی کرلی جائے۔ دوسری مصلحت اس میں یہ ہے کہ جس دن سارے مسلمان عید کی خوشی منانے جارہے ہوں اس دن سوسائٹی کے غریب لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی ہو جائے تا کہ وہ بھی اطمینان سے عید کی خوشی منانے میں شریک ہوسکیں۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَؓ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ۔ (مالک، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں سونے کی اوضاح (ایک خاص زیور) پہنتی تھی۔ میں نے (رسول اللہ سے) پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ بھی ”کنز“ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”جو اس مقدار کو پہنچ جائے جس میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو ”کنز“ نہیں ہے۔“

تشریح: قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ

سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ (التوبہ:۳۴) ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔'' اس آیت میں سونے چاندی کی جس تخزین پر وعید آئی ہے اس روایت میں حضرت ام سلمہؓ کا اشارہ اسی طرف تھا۔ سوال کا منشا یہ تھا کہ کیا زیور بھی اس کنز میں شامل ہے جس پر قرآن میں وعید فرمائی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر زیورات کی زکوٰۃ ادا کی جاتی رہے تو پھر وہ ''کنز'' نہیں ہے جس پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنۡ سَمُرَةَ بۡنِ جُنۡدُبٍؓ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاۡمُرُنَا اَنۡ نُخۡرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِیۡ نَعِدُّ لِلۡبَیۡعِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جس چیز کو بیع (تجارت) کے لیے ہم نے تیار کیا ہو اس میں سے صدقہ (زکوٰۃ) نکالیں۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ مالِ تجارت پر زکوٰۃ لازم ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنۡ عَطَاءِ بۡنِ يَسَارٍؒ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِیٍّ اِلَّا لِخَمۡسَةٍ لِغَازٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوۡ لِعَامِلٍ عَلَیۡهَا اَوۡ لِغَارِمٍ اَوۡ لِرَجُلٍ اِشۡتَرَاهَا بِمَالِهٖ اَوۡ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِّسۡكِیۡنٌ فَتُصَدِّقَ عَلَی الۡمِسۡكِیۡنِ فَاَهۡدَی الۡمِسۡكِیۡنُ لِلۡغَنِیِّ۔ (مالک ابوداؤد)

ترجمہ: عطاء بن یسارؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ مال دار کے لیے حلال نہیں سوائے پانچ آدمیوں کے: اللہ کی راہ میں لڑنے والے کے لیے، عاملِ زکوٰۃ کے لیے، قرض دار یا تاوان بھرنے والے کے لیے، اس شخص کے لیے جو کسی مفلس سے زکوٰۃ کا مال خرید لے اور اس شخص کے لیے جس کا ہم سایہ محتاج ہو، اسے زکوٰۃ دی گئی ہو اور اس مسکین نے زکوٰۃ کے مال میں سے اس مال دار کو ہدیہ دیا ہو۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مال مجاہدوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے اور اس میں سے عاملِ زکوٰۃ (یعنی زکوٰۃ کا وصول تحصیل کرنے والے) کو معاوضہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو تاوان بھرنا ہے یا کوئی قرض کے بوجھ سے لدا ہوا ہے تو زکوٰۃ کی مدد سے اس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی

جائز ہے کہ کسی محتاج سے زکوٰۃ کے مال کو کوئی مال دار شخص خرید کر اپنے استعمال میں لے آئے، اسی طرح اس ہدیہ کو قبول کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں جو کوئی محتاج شخص زکوٰۃ وصدقہ کے مال میں سے پیش کرے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ اِلْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لاَ تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ اِلَّا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ اِبْنِ السَّبِیْلِ اَوْ جَارٍ فَقِیْرٍ یُتَصَدَّقُ عَلَیْہِ فَیُھْدِیْ لَکَ اَوْ یَدْعُوْا لَکَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ مال دار کے لیے حلال نہیں ہے سوائے اس کے جو جہاد میں ہو یا مسافر ہو یا ایک ہم سایہ محتاج ہو، اسے کوئی چیز صدقہ میں ملی، وہ ہدیہ کے طور پر تمھیں پیش کرے یا تمھاری دعوت کرے۔''

انفاق کی فضیلت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ابنِ آدم! تو (میرے ضرورت مندوں پر) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''

تشریح: یعنی تو اگر لوگوں پر خرچ کرے گا تو میں تجھے مفلس نہ ہونے دوں گا بلکہ میری بخشش تجھ پر مزید ہوگی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تَدْفَعُ مِیْتَۃَ السُّوْٓءِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔''

تشریح: کسی شخص نے اگر کسی لغزش اور معصیت سے اپنے کو خدا کے غضب کا مستحق بنالیا ہے تو صدقہ خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرسکتا ہے۔ صدقہ دے کر بندہ خدا کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بن جاتا ہے، اس کے علاوہ صدقہ کی برکت سے آدمی سوءِ خاتمہ اور بری موت سے محفوظ رہتا

ہے۔ صدقہ کی برکت سے اچھے اور نیک کاموں کی دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان مضبوط اور کامل ہوتا ہے۔ آدمی کو حق پر ثبات و استقامت کی توفیق ملتی ہے۔ اس لیے صدقہ کرنے والے کا انجام بخیر ہوگا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ''اور اچھا انجام تقویٰ کے لیے ہے۔'' (طٰہٰ: ۱۳۲)

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی ہے۔ اور قصور معاف کر دینے سے اللہ آدمی کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو سربلندی ہی عطا فرماتا ہے۔''

تشریح: بالعموم لوگ صدقہ اس خوف سے نہیں دیتے کہ اس سے مال میں کمی آجائے گی۔ فرمایا گیا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، صدقہ سے مال گھٹتا نہیں، اس میں برکت آتی ہے۔ صدقہ کے سبب دنیا میں بھی خدا کی مزید بخشش ہوتی ہے۔ آخرت میں جو کچھ عطا ہوگا وہ الگ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے: اَنْفِقْ يُنْفَقْ عَلَيْکَ ''خرچ کرو تم پر خرچ کیا جائے گا۔'' (بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ) قرآن میں بھی فرمایا گیا ہے: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ج ''تم جو کچھ خرچ کرتے ہو (خدا) اس کی جگہ تمھیں اور دیتا ہے۔'' (سبا: ۳۹)

یہ حدیث بتاتی ہے کہ کسی کا قصور معاف کر دینے سے آدمی چھوٹا نہیں ہو جاتا بلکہ اخلاقی لحاظ سے وہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے درمیان اللہ اس کو باعزت زندگی عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی خوشنودی کے لیے تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے تو اس عمل سے وہ اپنے کو پستی میں نہیں گراتا بلکہ اپنی فطرت کے تقاضے پورے کر کے بلندی اور رفعت حاصل کرتا ہے۔ اللہ اسے ایسی عزت اور سربلندی عطا فرماتا ہے جس کا حصول کسی دیگر تدبیر سے ممکن ہی نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں وہ یہ ہیں: مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مُّظْلِمَةٌ صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا وَّلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ ''بندے کا مال صدقہ سے کم

نہیں ہوتا اور جس بندے پر ظلم وزیادتی کی جائے اور وہ اس پر صبر کر جائے تو لازماً خدا اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جس بندے نے سوال کا دروازہ کھولا، خدا اس کے لیے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

﴿۴﴾ وَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: رَاٰی سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلاً عَلٰی مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ۔ (بخاری)

ترجمہ: مصعب بن سعدؒ کہتے ہیں کہ سعدؓ نے اپنے بارے میں یہ خیال کیا کہ انھیں اپنے سے کم تر پر فضیلت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں (خدا کی طرف سے) مدد اور رزق تمھارے انھی کمزوروں (اور فقیروں) کی وجہ سے ملتا ہے۔''

تشریح: یعنی کسی شخص کا کمزوروں اور غریبوں کے مقابلہ میں اپنے کو بلند مرتبہ سمجھنا نادانی ہے۔ خدا کتنے ہی لوگوں کو محض کمزوروں اور مسکینوں کی وجہ سے اور ان کی دعاؤں کی برکت سے رزق دیتا ہے اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں فتح ونصرت عطا فرماتا ہے اس لیے کمزوروں اور غریبوں کی وقعت گھٹانا ٹھیک نہیں ہے بلکہ مال داروں کا فرض ہے کہ وہ ضعیفوں اور غریبوں کے حقوق کو پہچانیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بے حد پریشان اور غبار آلود ہیں، اور جنھیں دروازوں سے دھکّے دے کر ہٹایا جاتا ہے، اگر وہ خدا پر قسم کھائیں تو خدا کی ان قسموں کو لازماً پوری کر دے۔''

تشریح: یعنی کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر پریشان حال اور بے وقعت ہوتے ہیں کوئی انھیں خاطر میں نہیں لاتا۔ حالانکہ خدا سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ وہ اگر خدا کے بھروسے پر کسی بات پر قسم کھالیں تو خدا ان کی قسم کو پوری کر کے رہے گا۔ ان کی بات اور درخواست رد نہیں ہوسکتی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے جنت میں داخل ہوتے زیادہ تعداد مسکینوں کی دیکھی۔ دولت مندوں کو دیکھا کہ انھیں روک لیا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَیْدِیْهِمَا اِلٰی ثُدِیِّهِمَا وَ تَرَاقِیْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اِنْبَسَطَتْ عَنْهُ وَ جَعَلَ الْبَخِیْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا۔ (مسلم و بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل اور صدقہ دینے والوں کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جنھوں نے لوہے کی زرہیں پہن رکھی ہوں، ان دونوں کے ہاتھ سینے اور حلق تک جکڑے ہوئے ہیں۔ صدقہ دینے والا جب بھی صدقہ دیتا ہے تو وہ زرہ کشادہ ہو جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ دینے کا خیال کرتا ہے تو وہ مزید تنگ ہو جاتی ہے اور زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔“

تشریح: زرہوں کی تنگی کے سبب ہاتھ اوپر سے نیچے تک بالکل جسم سے چمٹ گئے ہوتے ہیں۔

فیاض شخص جب صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ وہ کھلے دل سے صدقہ دیتا ہے۔ وہ تنگ دل نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف بخیل شخص جب کچھ دینے کو سوچتا ہے تو اس کا سینہ اور تنگ ہو جاتا ہے گویا اس کا جسم کسی تنگ زرہ میں ایسا کسا ہوا ہے کہ وہ ہاتھ باہر نکال کر کسی کو کچھ دینے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔ پیسہ دیتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیسے کے ساتھ اس کی روح بھی نکل جائے گی۔

زرہ جسم کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے۔ جب وہ کشادہ ہو جاتی ہے تو پورا جسم محفوظ ہو جاتا ہے۔ یعنی صدقہ کے سبب آدمی کو پورے طور پر خدا کی حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ رہا بخیل شخص تو وہ ضیق اور تنگ دلی میں مبتلا ہوتا ہے۔ نہ وہ محفوظ ہوتا ہے اور نہ اسے حقیقی آرام و چین حاصل ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ وہ کوشش کرتا ہے کہ زرہ کشادہ ہو مگر وہ کشادہ نہیں ہوتی۔ (مسلم)

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَ فِیْ رِوَایَةٍ مَّنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْیَفْعَلْ۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

ترجمہ: عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آگ سے بچو، آدھے

چھوہارے کے ذریعہ سے ہی سہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص تم میں سے اس کی استطاعت رکھتا ہو کہ آگ سے بچ سکے آدھے چھوہارے کے ذریعہ سے ہی سہی، اسے ضرور بچنا چاہیے۔"

تشریح: یعنی صدقہ ضرور دو یہ خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے والی اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی چیز ہے۔ اگر زیادہ صدقہ دینے کی استطاعت نہ ہو تو جو بھی ہو سکے اگرچہ وہ نہایت قلیل مقدار ہو، صدقہ کرو۔

﴿۸﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ هُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ ذَكَرَ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ: اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّآئِلَةُ۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کہ آپؐ منبر پر تشریف رکھتے اور صدقہ کا اور سوال سے بچنے کا ذکر فرماتے تھے، "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر کا (ہاتھ) دینے والا ہے اور نیچے کا مانگنے والا۔"

﴿۹﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ؟ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ، قَالَ: فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَ مَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں کس کو اپنے مال سے بڑھ کر اپنے وارث کا مال زیادہ عزیز ہے؟" (صحابہؓ نے) عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم میں تو ہر ایک کو اپنا ہی مال سب سے زیادہ عزیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا اور وہ اس کے وارث کا مال ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔"

تشریح: یعنی اگر تمھیں اپنا مال عزیز اور پیارا ہے تو تمھارا مال تو وہ ہے جو تم خدا کی راہ میں صرف کر کے اپنی دائمی زندگی کے لیے بھیجتے ہو۔ جو کچھ جمع کر کے تم اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑتے ہو تو وہ تمھارا نہیں تمھارے ورثاء کا مال ہے۔ اگر تم نے اپنے لیے آگے کچھ نہیں بھیجا ہے یا بہت کم بھیجا ہے تو تم مفلس ہو، خواہ دنیا میں قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ جمع کر رکھا ہو۔ لیکن اگر تم نے آگے کے لیے سامان کر لیا ہے اور کرتے رہتے ہو تو تم مفلس ہرگز نہیں ہو۔ دنیا تمھیں مفلس سمجھتی ہے تو اس کی نظر کا قصور ہے۔

〈۱۰〉 وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهُمْ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرُ كَتِفِهَا۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا گیا) آپؐ نے دریافت فرمایا: اس میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اس کا صرف ایک شانہ بچا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''سب باقی ہے سوا اس شانہ کے (جو تقسیم نہیں کیا گیا)۔''

تشریح: یعنی جو گوشت تقسیم کر دیا گیا حقیقت میں وہی باقی ہے اور کام آنے والا ہے، ہمیشہ کا فائدہ اسی سے اٹھایا گیا۔ جو حصہ اپنے لیے روک لیا گیا وہ ختم ہونے والا ہے۔

〈۱۱〉 وَ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هُوَ جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِيْ قَالَ: هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالاً اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ وَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم وہ بڑے خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا، ''وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار ہیں، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف بھلائی کے کام میں) خرچ کیا اور ایسے لوگ کم ہیں۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مال و دولت بڑی آزمائش کی چیز ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب وہی ہو سکتے ہیں جن کے دل میں مال کی محبت نہ ہو، جو اپنے مال کو کشادہ دلی کے ساتھ کارِ خیر میں خرچ کرتے رہیں۔ جو ایسا نہیں کرتے وہ دولت پانے کے باوجود بڑے خسارے میں ہیں۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهٗ عَلٰى عِيَالِهٖ وَ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهٗ عَلٰى دَآبَّتِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهٗ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل دینار وہ ہے جس کو آدمی

اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار افضل ہے جسے آدمی خدا کی راہ میں سواری کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور وہ دینار افضل ہے جسے وہ خدا کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے مال اور دینار کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اسے اپنے بال بچوں پر خرچ کیا جائے، پھر اس کا بہترین مصرف یہ ہے کہ جہاد کے لیے گھوڑا وغیرہ خریدنے میں صرف کیا جائے۔ اور پھر یہ کہ اسے اپنے ان ساتھیوں اور رفقاء پر خرچ کیا جائے جو خدا کی راہ میں جہاد کر رہے ہوتے ہیں۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَّ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ وَّ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِکَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا اِلَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِکَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک دینار وہ ہے جو تو خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ایک دینار وہ ہے جو تو کسی غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے اور ایک وہ دینار ہے جو کسی مسکین پر خرچ کرتا ہے اور ایک دینار وہ ہے جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔ ان میں سب سے بڑھ کر باعثِ اجر وہ دینار ہے جسے تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے۔‘‘

تشریح: معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جس دین کی تعلیم دی ہے وہ حد درجہ متوازن ہے، اس میں بے اعتدالی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ اہمیت قریب ترین فرائض کی بجا آوری ہے۔ اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا فرض ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد نفل کی باری آتی ہے۔ ہر ایک کے حق کو سمجھنا چاہیے اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوةِ ثُمَّ تَلاَ: ’’لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔‘‘ الاٰیة۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔‘‘ پھر آپؐ نے تلاوت فرمایا:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ

لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ......

''نیکی اور وفاداری یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ وفاداری ان کی ہے جو اللہ پر، یومِ آخرت پر، فرشتوں پر، (اللہ کی) کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دے اور گردنیں چھڑانے (غلام آزاد کرانے) میں خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے......)۔''

تشریح: زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی آدمی کی ذمہ داریاں باقی رہتی ہیں۔ زکوٰۃ دینے کے بعد آدمی کو اپنا ہاتھ بالکل کھینچ نہیں لینا چاہیے اور نہ اجتماعی تقاضوں اور محتاجوں اور ضرورت مندوں کی طرف سے غافل ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اگر کوئی ضرورت مند اور مصیبت زدہ آجائے یا کوئی اجتماعی تقاضا سامنے آجائے تو آدمی کو اس سلسلہ میں مال خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے استشہاد کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت: لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الخ تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں نیکی کے کاموں کے ذیل میں ایمان کے بعد رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں وغیرہ کے مالی تعاون کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محتاجوں اور ضرورت مندوں کے مالی تعاون کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ وَ اَیُّما مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَأٍ سَقَاہُ اللّٰہُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے کسی مسلمان کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، کپڑا پہنایا، اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔ اور جس

مسلم نے کسی مسلم کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا، اللہ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جس مسلم نے کسی مسلم کو پیاس کی حالت میں پانی پلایا، اللہ اس کو (جنت کی) سربہ مہر شراب پلائے گا۔"

﴿۱۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَّ عِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَیْنٍ۔

(بخاری)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میرے پاس احد کے برابر سونا ہو تو میرے لیے خوشی کی بات یہی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے میرے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ رہے سوائے اس کے کہ قرض ادا کرنے کے لیے اس میں سے کچھ بچالوں۔"

تشریح: یعنی میرے لیے مسرت کی بات یہ نہیں ہے کہ مال میرے پاس جمع ہو بلکہ مسرت کی بات میرے لیے یہ ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہو میں اسے جلد سے جلد خدا کی راہ میں خرچ کروں یہاں تک کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رہنے دوں۔ انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہوتی ہے۔ ان کی زندگی اس کی کھلی شہادت پیش کرتی ہے کہ وہ سچے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ حق و صداقت کی جو تحریک وہ دنیا میں چلاتے ہیں اس کے پیچھے ہرگز ان کا کوئی مادی یا دنیوی مفاد نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں حق و صداقت کے لیے کرتے ہیں نہ کہ کسی ذاتی منفعت کے لیے۔

﴿۱۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ۔

(ترمذی)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دینار و درہم کا بندہ ملعون ہے۔"

تشریح: یعنی جو لوگ مال و دولت کے پرستار ہیں، خدا کی راہ میں جنھیں اپنا مال خرچ کرنا حد درجہ گراں گزرتا ہے وہ خدا کی رحمتوں سے دور ہیں، ان کے حصہ میں پھٹکار اور لعنت کے سوا اور کچھ نہیں آسکتا۔

مال و دولت کی پرستش بہت ہی بری خصلت ہے اسی لیے صدقہ لینا صرف اسی کو روا ہے جو محتاج ہو۔ محتاج شخص کو اگر خدا نے صحت اور طاقت دی ہے تو اسے بھی حتی الامکان صدقہ و زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہیے، اسے محنت و مشقت کے ذریعہ سے اپنی گزر اوقات کا سامان بہم پہنچانا چاہیے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِیٍّ وَّلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ

''مال دار کے لیے صدقہ (زکوٰۃ) حلال نہیں ہے اور نہ اس شخص کے لیے جو توانا و تندرست ہو۔''

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی، احمد، ابن ماجہ)

﴿۱۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: خَصْلَتَانِ لاَ یَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَ سُوْءُ الْخُلُقِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو عادتیں کسی صاحبِ ایمان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بخل اور بدخلقی۔''

تشریح: یعنی بخل اور بدخلقی کی ایمان سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ ایمان تو آدمی کو کشادہ دل، عالی ظرف اور باحوصلہ بناتا ہے جب کہ بخل اور بدخلقی درحقیقت تنگ نظری، تنگ دلی، دنائت کی پیداوار ہیں۔

﴿۱۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ، بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَ لَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سخی قریب ہے اللہ سے، قریب ہے جنت سے، قریب ہے لوگوں سے، دور ہے دوزخ سے اور بخیل شخص دور ہے اللہ سے، دور ہے جنت سے، دور ہے لوگوں سے، قریب ہے دوزخ سے۔ اور جاہل سخی اللہ کو بخیل عابد سے زیادہ پسند ہے۔''

تشریح: سخاوت اور فیاضی سے آدمی کو خدا کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ فیاض اور سخی شخص سے لوگ بھی خوش رہتے ہیں اور ایسا شخص اپنے انجام کے لحاظ سے بھی کامیاب ہوتا ہے۔ جنت اس کی دائمی جائے قرار ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف بخیل شخص سے نہ خدا راضی ہوتا ہے اور نہ دنیا کے لوگ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے انجام کے لحاظ سے وہ بجائے جنت کے دوزخ کا مستحق ہوتا ہے۔

سخاوت اور فیاضی صفاتِ رذیلہ کے دور کرنے میں حد درجہ معاون ہے۔ آدمی کو اس کے ذریعہ سے روحانی و اخلاقی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ اس کے اندر خدا کی

عظمت اور بزرگی کا زیادہ سے زیادہ احساس وشعور بیدار ہو سکے۔ رہا بخیل شخص تو نفسانیت اور تنگ دلی میں کچھ اس طرح گرفتار رہتا ہے کہ اسے روحانی و اخلاقی بلندی حاصل ہی نہیں ہوتی، اس کا دل مادّی منفعتوں میں ہی الجھا رہتا ہے۔ زندگی کی اعلیٰ قدروں سے وہ آشنا ہی نہیں ہو پاتا۔

﴿۲۰﴾ وَ عَنْ بُرَیْدَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكٰوةَ اِلَّا ابْتَلَاهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِیْنَ۔ (طبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کسی قوم نے زکوٰۃ روک لی اللہ نے اسے قحط میں مبتلا کر دیا۔''

تشریح: اس لیے قحط کو دور کرنے کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ زیادہ سے زیادہ ٹیوب ویل اور پمپنگ سسٹم وغیرہ آبپاشی کے ذرائع فراہم کیے جائیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مال کی زکوٰۃ نکالی جائے۔

﴿۲۱﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمْ یَمْنَعْ قَوْمٌ زَكٰوةَ اَمْوَالِهِمْ اِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَآءِ وَلَوْلَا الْبَهَآئِمُ لَمْ یُمْطَرُوْا۔ (طبرانی)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کسی قوم نے اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لی اس سے آسمان کی بارش روک لی گئی اور اگر جانور نہ ہوں تو (بالکل) بارش نہ ہو۔''

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ کبھی بے گناہ جانوروں کی وجہ سے بارش کر دیتا ہے، حالانکہ انسانوں کی نافرمانیوں کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ بارش بالکل نہ ہو۔

﴿۲۲﴾ وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍؓ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الصَّلٰوةَ وَالصِّیَامَ وَالذِّكْرَ یُضَاعَفُ عَلَى النَّفَقَةِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِسَبْعِمِاَةِ ضِعْفٍ۔

(ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سہل بن معاذؓ اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک نماز، روزہ اور ذکرِ الٰہی میں سے ہر ایک اللہ عزوجل کے راستہ میں خرچ کرنے سے سات سو حصے تک بڑھ جاتا ہے۔''

تشریح: انفاق کے سبب نماز، روزہ اور ذکر میں ہر ایک کا درجہ وکمال سات سو گنا یا سات سو بار

دوچند کرتے ہوئے جو حاصل ہو اس کے مساوی بڑھ جاتا ہے۔ اس سے انفاق کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے — حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے دل کے ٹھہراؤ اور وابستگی کے لیے کوئی چیز چاہیے۔ اگر خدا کی ذاتِ ستودہ صفات اس کے قلب اور جذبۂ شوق و محبت کے لیے پناہ گاہ نہ بن سکی تو لازماً اس کی وابستگی کا سامان یہی دنیا کے ساز و سامان ہی ہوں گے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے انفاق ایک مشکل امر ثابت ہوگا۔ ممکن ہے وہ نماز کی پابندی بھی کرے، روزے بھی رکھے اور زبان سے خدا کا نام بھی لے اور یہ خیال کرے کہ اس میں ہمارا جاتا ہی کیا ہے۔ لیکن انفاق کو ایک ایسی کسوٹی کی حیثیت حاصل ہے جس سے کھرے کھوٹے کی پہچان بآسانی ہوجاتی ہے۔ آدمی اگر خدا کا طالب ہے۔ مال و دولت اور دنیوی چیزیں اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز نہیں ہیں تو اس صورت میں انفاق اس کے لیے کوئی ناخوشگوار شے نہیں ہوگی۔ ایسے شخص کی نماز فی الواقع نماز ہوگی، اس کا روزہ صحیح معنوں میں روزہ ہوگا اور اس کا ذکر فی الحقیقت ذکر ہوگا۔ اس لیے خدا کی سنت اور اعمال نیک کی فطرت کے مطابق اس کے اعمال اور عبادات کی قدر و قیمت حد درجہ بڑھی ہوئی ہوگی اور ان کا اجر و ثواب ایک نعمتِ فراواں کی شکل اختیار کرلے گا۔

اس حدیث سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ نیک اعمال اور عبادات وغیرہ کا باہم ایک دوسرے سے گہرا ربط و تعلق ہے۔ اعمال باہم ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہوتے۔ وہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اسی لیے دین میں زندگی کی اصلاح اس کی مجموعی حیثیت سے مطلوب ہوتی ہے۔

صدقہ کا وسیع مفہوم

(۱) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَهْلِهٖ وَ هُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی مسلم شخص اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔“

تشریح: یعنی اس پر بھی وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ مومن جب دوسروں پر خرچ کرتا ہے اس

وقت بھی اصلاً خدا کی خوشنودی ہی اس کے پیش نظر ہوتی ہے اور جب وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اس وقت بھی وہ خدا ہی کی رضا کا جویا ہوتا ہے ایک ہی کردار ہے جس کا مظاہرہ مومن کی زندگی میں مختلف حالتوں میں ہوتا ہے۔ اپنی روح کے اعتبار سے اس کا ہر عمل صدقہ ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلصَّدَقَۃُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَۃٌ وَ ھِیَ عَلٰی ذِی الرَّحْمِ ثِنْتَانِ صَدَقَۃٌ وَّ صِلَۃٌ۔

(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: سلیمان بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور کسی (ضرورت مند) عزیز کو دینے میں دو پہلو ہیں، وہ صدقہ بھی اور صلۂ رحم بھی ہے۔“

تشریح: یعنی کسی ضرورت مند عزیز پر خرچ کرنے سے صدقہ کے علاوہ صلۂ (رحم) کا بھی اجر ملتا ہے اس لیے کہ اس نے صدقہ ہی نہیں کیا بلکہ صدقہ دے کر اپنے عزیز کے ساتھ سلوک بھی کیا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: جُھْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”جو غریب شخص اپنی محنت کی کمائی سے کرے۔ اور ابتداء ان لوگوں سے کرو جن کے تم ذمہ دار ہو۔“

تشریح: یعنی غریب شخص جب اپنی محنت کی کمائی سے خرچ کرتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا صدقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خرچ کرنے میں سب سے پہلے ان کی خبر لینی چاہیے جن کی آدمی پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال سے بے پروا ہو کر ادھر ادھر صدقات بانٹتا پھرتا ہے تو اس کا یہ رویہ دینی نقطۂ نظر سے ہرگز مستحسن نہیں ہوسکتا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: عِنْدِیْ دِیْنَارٌ، قَالَ اَنْفِقْہُ عَلٰی نَفْسِکَ، قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْہُ عَلٰی وَلَدِکَ، قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ: اَنْفِقْہُ عَلٰی اَھْلِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ، قَالَ اَنْفِقْہُ عَلٰی خَادِمِکَ، قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ، قَالَ: اَنْتَ اَعْلَمُ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوااور کہا: میرے پاس دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنی ذات پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس اور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس اور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا: میرے پاس اور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔ اس نے کہا: میرے پاس اور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم زیادہ واقف ہو (کہ تمھارے اعزہ و اقرباء میں کون زیادہ ضرورت منداور مستحق ہے)۔

تشریح: اس حدیث سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی احکام تقاضائے عقل وفطرت کے عین مطابق ہیں۔ ان احکام کی خلاف ورزی درحقیقت عقل وفطرت کی مخالفت ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلاَ اَدُلُّكُمْ عَلٰی اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُکَ مَرْدُوْدَةً اِلَیْکَ لَیْسَ لَهَا کَاسِبٌ غَیْرُکَ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سراقہ بن مالکؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بہترین صدقہ سے آگاہ نہ کروں؟ وہ تیری اپنی اس بیٹی کے ساتھ سلوک کرنا ہے جو تیری طرف واپس کردی گئی ہو۔ اور تیرے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو۔''

تشریح: بیٹی جو واپس کردی گئی ہو۔ یعنی اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی ہو یا وہ فوت ہوگیا ہو اور اس کا کفیل اب تیرے سوا کوئی اور نہ ہو۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللَّقِحَةُ الصَّفِیُّ مَنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِیُّ مَنْحَةً تَغْدُوْا بِاِنَاءٍ وَ تَرُوْحُ بِاٰخَرَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین صدقہ زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی ہے جو کسی کو دودھ پینے کے لیے عاریۃً دیدی جائے اور وہ زیادہ دودھ دینے والی بکری جو دودھ پینے کے لیے کسی کو دیدی جائے کہ وہ صبح کو برتن بھر کر دودھ دیتی ہو اور شام کو ایک اور برتن بھر کر۔''

تشریح: ایسے صدقہ سے ایک طرف صدقہ کرنے والے کی فیاضی اور اس کی کشادہ دلی کا پتہ چلتا ہے، دوسری طرف اس سے ضرورت مند شخص کی حاجت روائی بھی بخوبی ہوتی ہے اس لیے اس کی تعریف فرمائی۔ عربوں میں اس طرح کا رواج تھا۔ آپ نے اسے پسند فرمایا۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَأْکُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ وَّ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ وَ فِیْ رِوَایَةِ الْمُسْلِمِ عَنْ جَابِرٍ وَمَا سُرِقَ لَهٗ صَدَقَةٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مسلم شخص کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے اور اس میں سے انسان، پرند اور جانور کھائیں تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔'' مسلم کی ایک روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے، ''اس میں سے جو چوری چلا جائے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔''

تشریح: اپنے درخت اور کھیتی وغیرہ کے ذریعہ سے مخلوقِ خدا کو جو فائدہ بھی پہنچے اس میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے۔

چور نے اگر اس کو نقصان پہنچایا تو اس میں بھی اجر و ثواب ہے۔ مومن کسی حال میں بھی خسارہ میں نہیں رہتا۔ چوری کرنے والا حقیقت میں اپنا نقصان کرتا ہے۔ کسی مومن و مسلم بندے کو وہ حقیقی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَؓ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ الْمَاءُ، فَحَفَرَ بِئْرًا وَ قَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: سعد بن عبادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ام سعد (یعنی میری ماں) مرگئی تو کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: پانی۔ سعدؓ نے کنواں کھودا اور کہا: ''یہ ام سعد کے لیے صدقہ ہے۔''

تشریح: یعنی اس کا اجر و ثواب ام سعد کو ملے۔ کنویں کا شمار صدقۂ جاریہ میں ہوتا ہے۔ جب تک کنواں باقی رہتا ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اس کا اجر و ثواب پہنچتا رہتا ہے۔

یہاں چند باتیں سمجھ لینے کی ہیں:

ایصالِ ثواب اسی عمل کا ہوسکتا ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور خالصۃً اللہ کے لیے کیا گیا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ثواب کا ہدیہ ان ہی لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں جن کی حیثیت خدا کے یہاں مہمان کی ہے۔ خدا کے باغیوں اور مجرموں کو ثواب کا تحفہ نہیں پہنچ سکتا۔

نیک عمل کے دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک اس کے وہ نتائج جو عمل کرنے والے کی روح واخلاق پر مرتب ہوتے ہیں جن کے سبب وہ خدا کے یہاں جزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ دوسرے اس کا وہ اجر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے انعام کی شکل میں ملتا ہے۔ ایصال ثواب کا تعلق صرف دوسری چیز سے ہے۔ پہلی چیز سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَةٌ یُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَآبَّتِهٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْهَا اَوْ یَرْفَعُ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّ كُلُّ خُطْوَةٍ یَّخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَّ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے ہڈی کے جتنے جوڑ ہیں، ہر ایک پر صدقہ واجب ہے۔ ہر روز جس میں سورج طلوع ہو۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔ کسی آدمی کو سواری پر سوار ہونے میں یا اس کا سامان اس پر لادنے میں مدد کرنا صدقہ ہے اور ایک اچھی بات بھی صدقہ ہے اور نماز کے لیے جو قدم بھی اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور تکلیف دینے والی چیز کا راستہ سے دور کرنا بھی صدقہ ہے۔''

تشریح: بدن کا ہر جوڑ انسان کے حق میں خدا کا ایک فضل واحسان ہے۔ خدا کے ہر احسان کی شکر گزاری میں بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صدقہ کرے۔ صدقہ صرف اس کا نام نہیں ہے کہ کوئی شخص خدا کی راہ میں روپے پیسے خرچ کرے بلکہ اپنی روح کے لحاظ سے صدقے کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں جیسا کہ اسی حدیث سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ جن چیزوں کو اس حدیث میں صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ محض مجازاً صدقہ نہیں ہیں بلکہ واقعتاً ان میں صدقے کی روح اور اسپرٹ پائی جاتی ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ وَ حُذَیْفَةَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ اور حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نیکی صدقہ ہے۔''

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَ اِنَّ مِنَ

اَلْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ اِنَاءِ اَخِیْکَ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بھلائی صدقہ ہے اور یہ بات بھی بھلائی اور نیکی میں سے ہے کہ تم بشاش چہرے کے ساتھ اپنے بھائی سے ملاقات کرو اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صدقہ کا مفہوم اسلام میں بے حد وسیع ہے۔ اس میں ہر بھلائی اور نیکی شامل ہے۔ غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ ہی نہیں اسلام کے دیگر ارکان و اعمال بھی عظیم قدروں کے حامل ہیں اور ان میں بڑی وسعت اور گیرائی پائی جاتی ہے۔

ایک شخص صدقہ میں روپیہ پیسہ تو خرچ کر دیتا ہے لیکن وہی شخص دوسری بھلائیوں اور نیکی کے کاموں سے دور رہتا ہے۔ نہ وہ موقعہ پر انصاف کی بات کہتا ہے نہ بھائیوں سے ہنسی خوشی کے ساتھ ملتا ہے اور نہ ضرورت مندوں کے ساتھ اس کا رویہ ہمدردانہ ہوتا ہے بلکہ مخلوقِ خدا کو اس سے تکلیفیں ہی پہنچتی رہتی ہیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی فی الواقع متصدقین (صدقہ کرنے والوں) میں شامل نہیں ہوسکا ورنہ اس کا متصدق ہونا زندگی کے مختلف مواقع پر لازماً ظاہر ہوتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص ایک طرف تو غریبوں کی ہمدردی میں خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا مال خرچ کرے، دوسری طرف وہ بندگانِ خدا کے لیے باعثِ آزار بنے اور بھلائی اور نیکی کے کاموں سے اسے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔ ایسے شخص کا صدقہ حقیقت میں صدقہ نہیں محض نمائش ہے، محض ایک بے روح عمل ہے جس کے پیچھے کوئی صحیح شعور اور سچا اور مخلصانہ جذبہ نہیں پایا جاتا یا پھر وہ فہم و بصیرت سے اس درجہ عاری ہے کہ اپنی تمام گھناؤنی حرکتوں کے باوجود اپنے صدقہ کو بابرکت ہی تصوّر کرتا ہے حالانکہ اس کا صدقہ اس روزے دار کے روزے سے مختلف نہیں ہے جو روزہ رکھنے کے باوجود نہ خدا کی نافرمانی سے باز آتا ہے اور نہ نفسانیت اور ظلم سے اپنے کو بچاتا ہے، روزے سے اس کے پلے بھوک پیاس کے سوا اور کچھ نہیں پڑتا۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِہٖ طَیِّبَۃً بِہٖ نَفْسُہٗ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امانت دار مسلم خازن جب خوشی سے وہ چیز

دیتا ہے جس کے دینے کا اسے حکم دیا جاتا ہے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوتا ہے۔“

تشریح: خازن بیت المال سے جو رقم یا مال نکال کر پیش کرتا ہے وہ اس کا کوئی ذاتی مال نہیں ہوتا اس کے باوجود اس کا شمار صدقہ کرنے والوں میں ہوتا ہے اس لیے کہ مال پیش کرتے ہوئے وہ اپنے اندر کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرتا بلکہ خوش دلی سے جو کچھ کہا جاتا ہے وہ پیش کر دیتا ہے۔ امانت داری، دل کی کشادگی اور قلبی انبساط، انفاق و صدقہ کے لازمی مظاہر میں سے ہیں۔ اس لیے ایسا خازن جو تنگ دلی سے پاک ہو صدقہ کے اجر و ثواب سے کیسے محروم رہ سکتا ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ںِالْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَّ قَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اَلاَ رَجُلٌ یَّتَصَدَّقُ عَلٰی هٰذَا فَیُصَلِّیْ مَعَهٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَهٗ۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص (مسجد میں) آیا حضورؐ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے (یعنی) اس کے ساتھ نماز پڑھے تو ایک شخص اٹھا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص دیر سے مسجد میں پہنچے جب کہ جماعت ہو چکی ہو اور کوئی ایسا شخص نہ ہو جس نے ابھی نماز ادا نہ کی ہو تو اس کے اکیلے نماز ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ جو لوگ پڑھ چکے ہیں ان میں سے کوئی نماز میں اس کا ساتھ دے تاکہ وہ جماعت کی برکت اور ثواب سے محروم نہ رہے۔ نبی ﷺ نے اس کو صدقہ قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کا مفہوم بے حد وسیع ہے۔ دوسروں کے لیے جو قربانی یا ایثار کیا جائے گا اس کا شمار صدقہ میں ہی ہوگا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ایسا صدقہ کیا ہے۔ صدقہ کرنے والے کے لیے یہ نماز نفل قرار پائے گی۔ امامت نفل نماز پڑھنے والا بھی کر سکتا ہے اور فریضہ ادا کرنے والا بھی کر سکتا ہے۔ حضورؐ کے عہدِ مبارک میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد یہ صدقہ نہیں ہو سکتا کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنی ممنوع ہے۔ ظہر اور عشاء میں ایسا ہو سکتا ہے۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ، قَالُوْا: فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ: فَلْیَعْمَلْ بِیَدِهٖ فَیَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَ یَتَصَدَّقُ، قَالُوْا:

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ، فَیُعِیْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفِ، قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْهُ، قَالَ: فَیَأْمُرُ بِالْخَیْرِ، قَالُوْا: فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ، قَالَ: فَیُمْسِکُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ صَدَقَةٌ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر مسلمان کے ذمہ صدقہ ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اگر کسی کے پاس (دینے کو) کچھ نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور کمائے اس طرح خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو یا یہ بھی نہ کر سکے؟ آپؐ نے فرمایا: کسی غم زدہ ضرورت مند کی مدد کرے۔ لوگوں نے کہا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپؐ نے فرمایا: (لوگوں کو) نیکی کا حکم کرے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر یہ بھی نہ کر سکے؟ فرمایا: ''اپنے آپ کو برائی اور شر سے بچائے کہ یہ بھی ایک صدقہ ہے۔''

تشریح: صدقہ ہر مسلم کا ایک لازمی وصف ہے۔ اگر صدقہ کرنے کے لیے مال نہیں ہے تو آدمی کو محنت مزدوری کر کے اس سعادت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ کسی وجہ سے یہ بھی نہیں کر سکتا تو کسی ضرورت مند پریشان حال کی خدمت ہی کرے۔ یہ بھی صدقہ کی ایک قسم ہے۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو زبان سے لوگوں کے کام آئے، انھیں بھلائی کا حکم کرے۔ ایمان کی وجہ سے آدمی کو ایک طرح کی ذہنی، قلبی اور روحانی انبساط اور فراخی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا یہ انبساط فطرتاً زندگی میں مختلف اسالیب کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اسے ظاہر ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ اس کے ایمان کا اہم تقاضا ہے۔ اس انبساط کا ایک خاص مظہر صدقہ ہے۔ صدقہ چونکہ ایمان اور انبساطِ روحانی کا مظہر ہے اس لیے یہ باطن کی تربیت اور تزکیہ میں بھی معاون ہوتا ہے۔ ان ہی وجوہ کی بناء پر مومن کے لیے صدقہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ صدقہ کی روح چونکہ ایمان کی حلاوت، کشادہ دلی اور ذہنی و روحانی انبساط ہے جو روپے پیسے سے دوسروں کی مدد کے علاوہ لوگوں کی دوسری خدمات کا بھی محرک بنتا ہے، اس لیے ان سب کو ''صدقہ'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا یہاں تک کہ اس چیز کو بھی صدقہ کہا گیا کہ آدمی اس بات کا خیال رکھے کہ اس سے کسی کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے۔

اس روایت میں صدقہ کی اور بھی وسیع تر تشریح ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ

صرف ایجابی طور پر مالی، بدنی ہی نہیں ہے اور نہ وہ صرف قول وعمل تک محدود ہے بلکہ سلبی پہلو بھی ایک صدقہ اور نیکی ہے جس شخص نے اپنے آپ کو برائی سے بچایا اس نے نیکی ہی کے محاذ کو مضبوط کرنے میں اپنا تعاون پیش کیا۔ یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

انفاق کے بعض آداب

﴿۱﴾ عَنْ اَسْمَاءَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنْفِقِیْ وَلاَ تُحْصِیْ فَیُحْصِی اللّٰهُ عَلَیْکَ وَلاَ تُوْعِیْ فَیُوْعِی اللّٰهُ عَلَیْکَ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت اسماءؓ (بنت ابی بکرؓ) کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خرچ کرتی رہو، گنو مت۔ اگر تم اس طرح حساب کر کے دوگی تو اللہ بھی تمھیں حساب ہی سے دے گا اور دولت کو روکو مت ورنہ خدا بھی تم سے مال روک لے گا۔ کشادہ دستی سے تم سے جتنا ہو سکے دیتی رہو۔“

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّکَ وَ اَنْ تُمْسِکَهُ شَرٌّ لَکَ وَلاَ تُلاَمُ عَلٰی کَفَافٍ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے آدم کے بیٹے! جو تیری ضرورت سے زیادہ ہو اس کا خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے اور اس کا روکنا تیرے لیے برا ہے۔ اور ہاں گزارے اور ضرورت کے بقدر رکھنے پر تیرے لیے کوئی ملامت کی بات نہیں اور سب سے پہلے ان پر خرچ کر جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔“

تشریح: اسلام میں انفاق کو پسند اور بلاضرورت مال جمع کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔ بخل اور مال کی حرص سے ایک طرف دولت کا پھیلاؤ اور گردش رک جاتی ہے۔ جس دولت سے بہت سے ضرورت مند اپنی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں وہ شخص واحد کی تجوریوں میں بند رہ کر اپنی افادیت کھو دیتی ہے، دوسری طرف انفاق کے ذریعہ سے آدمی کو روحانی واخلاقی ترقی حاصل ہوتی ہے، اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ مال ودولت اور مادی منفعت کی ہوس اس کے دل سے نکلتی ہے۔ وہ زندگی کی ان اعلیٰ قدروں سے آشنا ہوتا ہے جن کا شعور، بخل اور حرص وہوس کی حالت میں اسے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ انفاق کا اصلاحِ باطن اور تہذیبِ نفس میں بڑا دخل ہے، اس حقیقت کو ہر وہ

شخص تسلیم کرے گا جسے دین کے مسائل میں کچھ بھی غور وفکر سے کام لینے کا موقع ملا ہوگا۔

خرچ کرنے میں آدمی کو سب سے پہلے ان لوگوں کی ضروریات کو دیکھنا چاہیے جن کی کفالت کی ذمہ داری خود اس پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ دوسروں پر خرچ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دوسروں کے لیے تو حد درجہ فیاض ہو اور اپنے اہل وعیال اور اعزہ کے واجبی حقوق کا بھی اسے پاس ولحاظ نہ ہو۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلٰی بِلَالٍ وَّ عِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذَا یَا بِلَالُ؟ قَالَ شَیْئٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ: اَمَا تَخْشٰی اَنْ تَرٰی لَهٗ بُخَارًا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، اَنْفِقْ یَا بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بلالؓ کے پاس آئے ان کے پاس چھواروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اے بلال، یہ کیا ہے؟ عرض کیا: میں نے اسے کل کے لیے جمع کر رکھا ہے۔ فرمایا: ”کیا تم اس سے نہیں ڈرتے کہ قیامت کے دن تم دوزخ کی آگ میں اس کی تپش دیکھو۔ اے بلال خرچ کرو اور عرش کے مالک سے کم دینے کا اندیشہ نہ کرو۔“

تشریح: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کل کے لیے کچھ رکھنے کی شریعت میں قطعاً گنجائش نہیں ہے بلکہ درحقیقت آپ نے یہ بات ذہن نشین کرانی چاہی ہے کہ آدمی کا اصل بھروسہ مال و اسباب پر نہیں، خدا پر ہونا چاہیے، جس خدا نے آج رزق کا انتظام فرمایا ہے وہ کل بھی انتظام کرے گا۔ اگر خدانخواستہ ہمارا بھروسہ خدا کو چھوڑ کر کسی مادی چیز پر ہوا اور ہم خدا کی رزاقی اور اس کی قدرت کو بھول گئے تو یہ چیز ہمارے حق میں عذاب ثابت ہوگی۔

﴿۴﴾ وَ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (کہ آپؐ نے فرمایا: ”عرش کے سایہ میں ہوگا) وہ شخص جس نے صدقہ دیا ہے اور اسے اتنا چھپایا کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔“

تشریح: یعنی وہ حد درجہ چھپا کر صدقہ کرتا ہے اس لیے کہ مقصد تو خدا کو راضی کرنا ہے نہ کہ مخلوق خدا کو یہ دکھانا ہے کہ ہم بڑے داتا ہیں۔ اگر وہ دنیا کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ صدقہ کے اجر و ثواب سے محروم رہے گا بلکہ الٹا ایک بڑے گناہ کا مرتکب قرار پائے گا اس لیے کہ جو کام اسے خدا کے لیے کرنا چاہیے تھا اس کو اس نے دنیا والوں کو دکھانے کے لیے کیا۔ یہ ایک طرح کا شرک ہوا۔

اگر نمود و نمائش کی نیت نہ ہو تو کھلے طریقہ سے خرچ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ (۲:۲۷۱) ’’اگر کھلے طریقہ سے خیرات کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر چھپا کر غریبوں کو دو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اس سے تمھاری برائیاں ڈھلتی ہیں۔‘‘

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: اَلَا مَنْ وُّلِيَ يَتِيْمًا لَّهٗ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَاْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔ (ترمذی)

ترجمہ: عمرو بن شعیبؒ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان خطبہ دیا اور فرمایا: ’’خبردار! جو شخص کسی یتیم کا سرپرست ہو اور اس یتیم کے پاس مال ہو تو اس سرپرست کو چاہیے کہ وہ اس مال کو تجارت میں لگائے اور اسے چھوڑ نہ دے کہ زکوٰۃ اسے کھا جائے۔‘‘

تشریح: یتیموں کا مال اگر تمھارے پاس ہے اور تم نے اس کی حفاظت اور نگرانی کی ذمہ داری قبول کی ہے تو اس مال کو تجارت میں لگاؤ۔ ان کے مال کو یوں ہی نہ چھوڑو۔ کیونکہ اگر تم نے ان کے مال کو یوں ہی چھوڑ دیا اور اسے تجارت میں نہیں لگایا، محض اس کی زکوٰۃ ہی نکالتے رہے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کا مال دھیرے دھیرے ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اس لیے یتیموں کی سچی بہی خواہی اور ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان کے مال کی حفاظت کرو اور اس کو ترقی دو نہ یہ کہ ان کے فائدے اور نقصان کی تمھیں کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا اَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَ هُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب تمھارے پاس زکوٰۃ وصول

کرنے والا آئے تو چاہیے کہ وہ تمھارے پاس سے اس حال میں واپس ہو کہ وہ تم سے راضی ہو۔"

تشریح: یعنی تم اپنی زکوٰۃ بہ رضا و رغبت پوری پوری ادا کرو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَبَقَ دِرْهَمٌ مِاَةَ اَلْفِ دِرْهَمٍ قِیْلَ وَ کَیْفَ ذَالِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: کَانَ لِرَجُلٍ دِرْهَمَانِ فَتَصَدَّقَ بِاَجْوَدِهِمَا وَانْطَلَقَ اٰخَرُ اِلٰی عُرْضِ مَالِهٖ فَاَخْرَجَ عَنْهُ مِاَةَ اَلْفِ دِرْهَمٍ فَتَصَدَّقَ بِهَا۔ (نسائی)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک درہم لاکھ درہم پر سبقت لے گیا۔" عرض کیا گیا: یہ کیسے یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: "ایک شخص کے پاس دو درہم ہیں جو ان دونوں میں کھرا ہے اس نے اس کو صدقہ کر دیا۔ دوسرا شخص اپنے (پھیلے ہوئے کثیر) مال کے ایک گوشہ میں گیا۔ وہاں سے ایک لاکھ درہم نکال کر صدقہ کر دیا (تو پہلے شخص کا ایک درہم اس کے ایک لاکھ سے افضل ہے)۔"

تشریح: ایسا شخص جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔ ایک لاکھ خرچ کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے جبکہ ایک دوسرے شخص کا ایک درہم خرچ کرنا بھی ایک بڑی قربانی ہو سکتی ہے۔ جو صدقہ تنگی کی حالت میں کیا جاتا ہے اس کی اہمیت خدا کے نزدیک اس صدقہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے جو فراخی اور خوشحالی کی حالت میں آدمی کرتا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُعْطُوا السَّائِلَ وَلَوْ جَاءَ عَلٰی فَرَسٍ اَخْرَجَهٗ مَالِکٌ وَ لِاَبِیْ دَاءُوْدَ عَنْ عَلِیٍّ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَّ لَوْ جَآءَ عَلٰی فَرَسٍ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سائل کو دو اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے۔ مالک نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابو داؤدؒ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں، "سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر چڑھ کر آئے۔"

تشریح: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس کھانے کو ہو یا جو اس کی طاقت رکھتا ہو کہ کما سکے اس کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ سوال کرے یا زکوٰۃ لے۔ یہ اولوالعزمی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو جو شخص بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہے اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ حضور ﷺ نے ایک طرف تو لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ وہ حتی الامکان سوال سے پرہیز کریں، آپ نے یہاں تک فرمایا کہ

جوشخص صبح وشام کی روٹی کا سامان رکھتا ہو وہ اگر سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اپنے حق میں آگ جمع کرتا ہے، لیکن دوسری طرف آپؐ نے اہلِ ایمان کے اندر انفاق کا جذبہ بھی بدرجۂ اتم پیدا کیا اور یہ تعلیم دی کہ سائل کو دو اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر یعنی بہتر حالت میں آئے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ بِمِثْلِ بَيْضَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَبْتُ هٰذَا مِنْ مَعْدَنٍ فَخُذْهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ مَّا اَمْلِكُ غَيْرَهَا فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَاَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْاَيْمَنِ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَاَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْاَيْسَرِ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ اَتَاهُ مِنْ خَلْفِهٖ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ فَاَخَذَهَا صلی اللہ علیہ وسلم فَخَذَفَهٗ بِهَا فَلَوْ اَصَابَتْهُ لَاَوْجَعَتْهُ وَ قَالَ: يَاْتِيْ اَحَدُكُمْ بِجَمِيْعِ مَا يَمْلِكُ فَيَقُوْلُ هٰذِهٖ صَدَقَةٌ ثُمَّ يَقْعُدُ يَتَكَفَّفُ النَّاسَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لایا اور کہا: یارسول اللہ! اس کو میں نے ایک مکان میں پایا ہے۔ آپؐ اسے لے لیں یہ صدقہ ہے۔ اس کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے اس سے اعراض فرمایا۔ پھر وہ داہنی طرف سے آیا اور یہی بات کہی۔ آپؐ نے اس سے پھر اعراض فرمایا۔ پھر وہ بائیں جانب سے آیا اور یہی بات کہی۔ پھر آپؐ نے اس سے اعراض فرمایا۔ پھر وہ پیچھے سے آیا اور ویسی ہی بات کہی۔ پھر آپؐ نے اس کو لے لیا اور اس سے اس شخص کو کھینچ مارا اگر اس کو لگ جاتا تو اسے تکلیف پہنچتی۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنی ساری ملکیت لاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے۔ پھر اس کے بعد وہ بیٹھ کر لوگوں سے بھیک مانگتا ہے۔ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو استغناء کے ساتھ ہو۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم یا ذمہ دار شخص کو صدقہ وصول کرتے وقت دینے والے شخص کے حالات اور اس کے دیگر کوائف کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ صدقہ دینے والے کو بھی چاہیے کہ وہ صدقہ دیتے وقت اس پہلو سے اپنا جائزہ ضرور لے کہ وہ اگر اپنی ساری ملکیت یا اپنی جائیداد کا زیادہ حصہ خدا کی راہ میں صدقہ کر رہا ہے تو اس کے نتیجہ میں کل وہ لوگوں سے بھیک نہیں مانگے گا بلکہ وہ کما کر کھائے گا۔ اگر وہ اس کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تو اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ بس اتنا ہی صدقہ کرے جتنا وہ آسانی سے خرچ کرسکتا ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: ''تھوڑے مال والے کی کوشش ومشقت۔ اور صدقہ دینے میں ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔''

تشریح: افضل صدقہ کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ محنت کر کے جو تھوڑا بہت حاصل کیا اس میں سے تکلیف ومشقت برداشت کر کے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرے۔ جن لوگوں کی ذمہ داری ہم پر ہے ان کا حق سب سے زیادہ ہوتا ہے خرچ کرنے کی ابتدا انھیں سے کرنی چاہیے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو بھوکے جگر کا پیٹ بھر دے۔''

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ سَعِیْدٍ اَنَّ سَعْدًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْجَبُ اِلَیْکَ؟ قَالَ اَلْمَاءُ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: سعید سے روایت ہے کہ سعد نبی ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ کونسا صدقہ آپؐ کو زیادہ پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''پانی پلانا۔''

تشریح: بھوکے کو کھانا کھلانا اور پیاسے کے لیے پانی کا انتظام کرنا بہترین نیکی وصدقہ ہے۔ اس طرح کے صدقہ سے ضرورت مند کو فوری راحت پہنچتی ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَیْسَ الْمِسْكِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ اَوِ التَّمْرَتَانِ وَ لٰكِنَّ الْمِسْكِیْنَ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ فَیُتَصَدَّقَ عَلَیْهِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْاَلُ النَّاسَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں

سے مانگتا پھرتا ہے اور اس کو ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں دیدی جاتی ہیں، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے اور کسی کو اس کی محتاجی کا احساس بھی نہیں ہو پاتا کہ اس کو صدقہ دیا جائے اور نہ وہ لوگوں سے مانگنے کے لیے جاتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی خبر گیری مقدم ہے جو ضرورت مند ہونے کے باوجود لوگوں سے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کرتے اور نہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں جس کی وجہ سے عام طور پر لوگوں کو اندازہ نہیں ہو پاتا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ یہ لوگ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کی مدد کی جائے اور اس طرح سے مدد کی جائے کہ ان کی عزت اور وقار کو صدمہ نہ پہنچے۔ اسی طرح کی تعلیم قرآنِ مجید میں بھی دی گئی ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ٘ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ٘ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ٘ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا٘ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ٥ (البقرہ: ۲۷۳) ''یہ صدقہ ان محتاجوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں ایسا گھر گئے ہیں کہ (روزی کی فراہمی کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کے سوال سے بچنے کی وجہ سے ناواقف شخص انھیں مال دار سمجھتا ہے۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے چمٹ چمٹ کر سوال نہیں کرتے تم (ان کی مدد کے لیے) جو مال بھی خرچ کرو گے بلاشبہ اللہ اس کا جاننے والا ہے۔''

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قَالَ: اَنْ تَصَدَّقَ وَ اَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَ تَاْمُلَ الْغِنٰی وَلَا تُمْهِلَ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَ بِفُلَانٍ كَذَا وَ قَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیرا اس حال میں صدقہ کرنا کہ تو تندرست ہو اور تیرے اندر مال کی چاہت اور خواہش ہو، افلاس سے ڈرتا اور دولت مندی کی امید رکھتا ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ تو سوچتا اور ٹالتا رہے، یہاں تک کہ جب جان حلق میں پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ اتنا فلاں کے لیے ہے اور اتنا فلاں کے لیے ہے حالانکہ اب تو وہ فلاں ہی کو ملے گا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صدقہ تو وہی اللہ کے یہاں اہمیت رکھتا ہے جو تندرستی وتوانائی کی حالت میں کیا جائے جبکہ آدمی کے سامنے اپنے مختلف مسائل ہوتے ہیں۔ اس کا اپنا مستقبل ہوتا ہے، اسے مال کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے، اس سب کے باوجود وہ اگر خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو وہ یقیناً خدا کے یہاں اجر کا مستحق ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے: وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر:۹)

آدمی جب زندگی سے مایوس ہو جائے اور سمجھ لے کہ مال و دولت سب کچھ اب چھن جانے کو ہے اس وقت اگر وہ صدقہ کرتا اور وصیت کرتا ہے تو اس کا اللہ کے یہاں کوئی وزن نہیں ہے۔ اب تو اس کا مال دوسروں کے ہاتھ میں خود ہی پہنچ جائے گا۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: حَصِّنُوْا اَمْوَالَکُمْ بِالزَّکٰوۃِ وَ دَاوُوْا مَرْضَاکُمْ بِالصَّدَقَۃِ وَاسْتَعِیْنُوْا عَلٰی حَلِّ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنے مالوں کی حفاظت کرو اور اپنے مریضوں کا علاج صدقہ کے ذریعہ سے کرو۔ اور دعا اور تضرع کے ذریعہ سے مصائب کا استقبال کرو۔“

تشریح: اس حدیث میں کئی اہم باتوں کی تعلیم دی گئی ہے تم مال کی زکوٰۃ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے مال کی حفاظت فرمائے گا۔ اگر تم زکوٰۃ نہیں نکالتے تو کسی بھی وقت تمھارا یہ جرم تباہی لاسکتا ہے اور تمھارا مال تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔

مریضوں کے علاج میں ڈاکٹروں اور طبیبوں پر ہی بھروسہ نہ کرو، بلکہ اس سب سے بڑے طبیب کی طرف بھی رجوع کرو جس کے قبضۂ قدرت میں دکھ سکھ، زندگی اور موت سب کچھ ہے۔ اسے راضی کرنے اور اس کا تعاون حاصل کرنے کی بہترین شکل صدقہ ہے۔ تم صدقہ کر کے غریبوں کی مدد کرو گے تو خدا مصیبت میں تمھاری مدد کرے گا۔ مصیبت آنے پر اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور زاری اختیار کرو، خدا تمھاری مصیبت کو ٹال دے گا۔

﴿۱۶﴾ وَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ قَالَ: حَمَلْتُ عَلٰی فَرَسٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاَضَاعَہُ الَّذِیْ کَانَ عِنْدَہٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِیَہٗ وَ ظَنَنْتُ اَنَّہٗ یَبِیْعُہٗ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ

فَقَالَ: لاَ تَشْتَرِہٖ وَلاَ تَعُدْ فِیْ صَدَقَتِکَ وَ اِنْ اَعْطَاکَهٗ بِدِرْهَمٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لاَ تَعُدْ فِیْ صَدَقَاتِکَ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِہٖ کَالْعَائِدِ فِیْ قَیْئِہٖ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو خدا کی راہ میں گھوڑے پر سوار کیا، اس نے اس کو خراب کر دیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اسے خرید لوں، میرا خیال تھا کہ وہ اسے سستا بیچے گا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا (کہ کیا میں اسے خرید لوں) آپؐ نے فرمایا: ''ہرگز اسے نہ خریدو اور اپنے صدقے کو لوٹاؤ نہیں خواہ وہ تم کو ایک ہی درہم میں دے کیونکہ اپنے صدقے کو لوٹانے والا ایسا ہی ہے جیسے کتا جو قے کر کے اسے چاٹ لے۔'' ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''اپنے صدقہ کو نہ لوٹاؤ کیونکہ صدقہ کو لوٹانے والا اس شخص کی طرح ہے جو قے کر کے اسے چاٹ لے۔''

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کا عمل یہ تھا کہ اگر وہ کوئی ایسی چیز خریدتے تھے جسے انھوں نے صدقہ کیا ہوتا تو اسے وہ اپنے پاس نہ رکھتے بلکہ اسے فوراً صدقہ کر دیتے۔ (بخاری) پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد گرامی یہ کہ جس چیز کو راہِ خدا میں دے دیا ہو، قیمت دے کر ہی سہی اسے واپس نہ لو۔

صدقہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا بہت ہی گھناؤنی اور پست حرکت ہے۔ اسی لیے اس کو قے کے چاٹنے سے تشبیہہ دی گئی۔ صدقے میں دیئے ہوئے مال کو خریدنے والا اگرچہ حقیقی اعتبار سے اپنے صدقہ کو باطل نہیں کرتا، پھر بھی ظاہر میں وہ اسی چیز کو لوٹا رہا ہوتا ہے جس کو وہ خدا کی راہ میں دے چکا ہوتا ہے۔ اسلامی ذوق کے لیے یہ ظاہری مشابہت بھی گراں ہے۔ اسی لیے اس نے اس چیز کو پسند نہیں کیا کہ آدمی اس چیز کو خرید لینے کی کوشش کرے جس کو وہ خدا کی راہ میں نکال چکا ہے۔

〈۱۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ وَ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالاَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ اور حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے غنا چھوڑ جائے اور صدقہ دینے میں ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی ذمہ داری تم پر ہو۔''

تشریح: غنا چھوڑ جانے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد دل میں کسی قسم کی گھٹن اور تنگی

محسوس نہ کرے۔ صدقہ دینے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ یا تو اتنا بچ رہا ہو کہ خود اسے صدقہ لینے کی نوبت نہ آئے گی یا پھر آدمی اتنا متوکل ہو کہ اپنے دل میں کچھ بھی تنگی محسوس نہ کرے یعنی آدمی کا دل غنی ہو۔ صدقہ کرنے کے بعد خدا پر بھروسہ کرنے کی بہترین مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے۔ وہ گھر کا سارا اثاثہ حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ گھر میں خدا اور اس کا رسول باقی ہیں۔ لیکن عام اصول یہی ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اتنا باقی رہے کہ آدمی کی اپنی ذاتی ضروریات پوری ہو جائیں اور وہ تنگی محسوس نہ کرے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ عزیز و اقربا، سے فارغ ہونے کے بعد باہر کے لوگوں کو دینا چاہیے۔ گھر میں آدمی کے بال بچے اور عزیز و اقرباء ضرورت مند ہیں اور وہ باہر صدقہ بانٹتا پھرتا ہے۔ تو یہ صدقہ کی روح کے سراسر منافی ہوگا۔

سوال کرنے سے پرہیز

﴿۱﴾ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يَّكْفُلُ لِيْ اَنْ لَّا يَسْاَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ: اَنَا فَكَانَ لَا يَسْاَلُ اَحَدًا شَيْئًا۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ لوگوں سے سوال نہ کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔'' ثوبانؓ نے عرض کیا: میں عہد کرتا ہوں۔ اس لیے وہ کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔

تشریح: اسلام میں اس بات کو سخت ناپسند کیا گیا ہے کہ کوئی شخص بھیک مانگے اور لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔ اسلام چاہتا ہے کہ آدمی حتی الامکان اپنے آپ کو سوال کی ذلت سے بچائے۔ اسلام کی اس تعلیم کا یہ اثر تھا کہ صحابہؓ اگر اونٹ پر بیٹھے ہوتے اور اونٹ کی نکیل نیچے گر جاتی تو خود اتر کر اسے اٹھاتے کسی دوسرے سے اٹھانے کے لیے نہ کہتے۔ لیکن افسوس کہ آج اسلام پر ایمان رکھنے والوں میں ایسے طبقے بھی پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے اپنے رسولؐ کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے گداگری اور سوال ہی کو اپنا پیشہ اور ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ الْمَسْئَلَةُ بِاَحَدِكُمْ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهُ تَعَالٰى وَ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص (بلاضرورت) سوال کرتا رہے گا وہ اللہ تعالیٰ سے (قیامت کے دن) اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔''

تشریح: دنیا میں وہ لوگوں سے سوال کر کے اپنے وقار اور آبرو کو خاک میں ملاتا تھا اس دن اس کی ذلت اور آبرو کی بربادی اس شکل میں ظاہر ہوگی کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔ نحوست اور بے رونقی اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہوگی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ وَ مَنْ سَالَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ رَضْفًا يَّاْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَ مَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حبشی بن جنادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوال کرنا مال دار آدمی کے لیے جائز نہیں ہے اور نہ توانا وتندرست آدمی کے لیے جائز ہے۔ البتہ ایسے شخص کے لیے جائز ہے جس کو افلاس نے زمین پر گرا دیا ہو یا جو تاوان یا قرض کے بوجھ سے لد گیا ہو۔ اور جو شخص اپنے مال کو بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرے تو یہ سوال قیامت کے روز اس کے چہرے پر ایک زخم ہوگا اور جہنم کا گرم پتھر ہوگا جس کو وہ کھائے گا۔ تو اب جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے۔''

تشریح: قیامت کے دن یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ بلاضرورت دنیا میں لوگوں سے سوال کر کے وہ اپنی آبرو اور اپنے چہرے کی آب وتاب کو کھو چکا ہے۔ اس روز اس کے چہرے پر رونق نہ ہوگی بلکہ اس کا چہرہ چھلا ہوا اور زخمی ہوگا۔ دنیا میں سب سے زیادہ ناگوار اور اذیت رساں چیز (یعنی لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے) کو اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس کے نتیجے میں اس دن اسے گرم پتھر کھانا پڑے گا، گویا یہ اس بات کا اظہار ہوگا کہ جب تم نے اپنے لیے اذیت رساں اور ناگوار شے کو پسند کیا ہے تو تمھارے لیے وہی چیز فراہم کی گئی ہے جو تمھیں پسند ہے۔ جب دنیا میں تم نے حد درجہ وحشت ناک شے کو اختیار کیا تھا تو یہاں اس سے کیوں بھاگتے ہو۔ جب دنیا میں تم نے اپنی فطرت کے خلاف روش اختیار کی ہے تو نتیجہ کے لحاظ سے بھی تمھیں اس چیز

کو قبول کر لینا چاہیے جو تمھاری فطرت کے خلاف اور تمھارے لیے حد درجہ تکلیف دہ ہے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کے آدمی کو ضرورت کی حد تک سوال کرنا جائز ہے۔ ایک وہ جس نے دوسرے کا بوجھ (قرض، خوں بہا وغیرہ) اپنے اوپر لے لیا ہو، دوسرا وہ جس پر کوئی ایسی آفت آئی کہ سارا مال برباد ہو گیا اور تیسرا وہ شخص جس کو فاقہ کی نوبت آگئی ہو۔ (مسلم)

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص زیادہ مال حاصل کرنے کے لیے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت آگ کا انگارہ مانگتا ہے، اب خواہ اس میں کمی کرے یا زیادہ مانگے۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدِحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَ مَنْ شَاءَ تَرَكَهٗ اِلَّا اَنْ يَّسْاَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ اَوْ فِیْ اَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ترجمہ: سمرۃ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے۔ تو اب جو شخص چاہے (عزت و آبرو کو) اپنے چہرے پر باقی رکھے اور جو چاہے ضائع کر دے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی حاکم سے سوال کرے یا کسی ایسی چیز کا سوال کرے جس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو۔''

تشریح: یعنی حاکم سے اگر وہ اپنے کسی جائز حق کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ درست ہے۔ اسی طرح انتہائی مجبوری کی حالت میں اگر کوئی لوگوں سے سوال کرتا ہے تو اسے قابلِ ملامت نہیں سمجھا جائے گا۔ عام حالات میں آدمی کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ لینے کے بجائے دینے والا بنے۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِیَ بِحَزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ۔ (بخاری)

ترجمہ: زبیر بن العوامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص

اپنی رسی لے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی پشت پر لاد کے لائے اور بیچے اور اللہ اس ذریعہ سے اس کی عزت وآبرو کو برقرار رکھے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے، وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔''

تشریح: یعنی لکڑی بیچ کر اپنی معاشی ضرورت پوری کرے اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کر کے اپنی عزت اور وقار کو مجروح نہ کرے، سوال کرنا خود ذلت کی بات ہے، سوال کے بعد کوئی تو اسے کچھ دے گا اور کوئی انکار کرے گا اس طرح اس کو ذلت در ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ رَجُلاً مِّنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اِصْحَبْنِیْ کَیْمَا تُصِیْبَ مِنْهَا فَقَالَ لاَ حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَسْاَلَهٗ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَحِلُّ لَنَا وَ اِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

ترجمہ: ابورافعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ اس نے ابورافعؓ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ تمھیں بھی اس میں سے کچھ مل جائے۔ ابورافعؓ نے کہا کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں تمھارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ ابورافعؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''زکوٰۃ وصدقہ ہم لوگوں (یعنی ہمارے گھر اور ہمارے خاندان) کے لیے حلال نہیں ہے اور کسی گھرانے کے موالی (آزاد شدہ غلام) بھی انھی میں سے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کے لیے صدقات اور زکوٰۃ کو حلال نہ رکھا۔ اس میں دوسری حکمتوں کے ساتھ ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر آپ کے خاندان اور آپ کی اولاد کے لیے زکوٰۃ حلال ہوتی تو لوگ اپنے نبیؐ کی محبت اور تعلق کی بنا پر اپنی زکوٰۃ آپ ہی کی اولاد اور خاندان والوں کو دینے کی کوشش کرتے اور قوم کے دوسرے غرباء اور مساکین محروم رہتے۔ قیامت تک کے لیے اپنے اہل خاندان اور اپنی اولاد کو زکوٰۃ و صدقات کی مد سے محروم کر کے نبی ﷺ نے اپنے سچے نبی ہونے کا ناقابلِ انکار ثبوت پیش فرمایا ہے۔ آپؐ کے اعلانِ نبوت کے پیچھے اگر کوئی مادی منفعت اور دنیوی فائدے کے حصول کا جذبہ کام کر رہا ہوتا تو کبھی بھی آپ اپنی اولاد اور اپنے اہلِ خاندان کو زکوٰۃ کے فنڈ سے محروم نہ رکھتے۔

اس ایثار و قربانی کے پیچھے حق و صداقت ہی کی قوت کارفرما تھی۔ ورنہ اکثر دیکھا یہ جاتا ہے کہ ''مقدس'' کہلانے والے اشخاص اور خاندان صدقات اور دان کا اصل حقدار خود کو سمجھتے ہیں۔

اس حدیث سے اس کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ غلاموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی آپؐ نے اپنے غلام کو اپنے خاندان کا ایک فرد قرار دیا۔ ابورافعؓ آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

﴿۸﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَ مَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنَاءِ اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کو کوئی سخت حاجت پیش آئے اور اس نے اسے لوگوں کے سامنے رکھا تو اس کو اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی اور جس شخص نے اسے اللہ کے سامنے رکھا تو اللہ جلد ہی اس کی حاجت پوری کردے گا یا تو جلدی موت دے کر (اگر اس کی موت کا وقت آگیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر۔''

تشریح: آدمی کو اپنی ضرورت اور حاجت اپنے خدا کے سامنے ہی رکھنی چاہیے۔ خدا ہی اس کا حقیقی سرپرست ہے۔ وہی اس کی ضروریات کا کفیل ہوسکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے بیکسی اور غربت کی حالت میں اللہ ہی کو پکارا تھا: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۴) ''اے رب! جو اچھی چیز بھی تو میری طرف اتار دے میں اس کا محتاج ہوں'' اللہ نے انھیں ٹھکانا دیا۔

جو شخص بجائے خدا کے مخلوقِ خدا پر بھروسہ رکھتا ہے وہ کسی بھی مصیبت سے نجات نہیں پاسکتا۔ اس کی زندگی لوگوں سے سوال کرتے ہی گزرے گی جو شخص اپنی خودداری اور عزت و وقار کا خیال نہیں رکھتا خدا کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

ایک حدیث حضرت ابی کبشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تین چیزوں پر قسم کھاتا ہوں: ایک یہ کہ کسی صدقہ سے کسی مال میں کمی نہیں آتی۔ دوسرے یہ کہ کسی پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر عزت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو شخص اپنے اوپر بھیک مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔'' (ترمذی)

روزہ

انسان کی فطری صلاحیتوں اور قوتوں کے ابھرنے اور نشو و نما پانے کے لیے تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر ذہنوں پر مادی اور افادی پہلو کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ آدمی کے لیے یہ حد درجہ مشکل ہوتا ہے کہ وہ چیزوں کو ان کی فطری پاکیزگی میں دیکھ سکے اور زندگی کی اہم قدروں اور بیش قیمت حقیقتوں کو سمجھ سکے۔ روزہ ایک مقدس عبادت اور ہماری روحانی اور اخلاقی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ روزہ کا اصل مقصد طہارتِ روح اور تقویٰ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۙ (البقرہ: ۱۸۳)

"اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔"

جب تک آدمی میں ضبطِ نفس نہ ہو اس کے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ خواہشات سے مغلوب انسان کو نہ خدا کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور نہ وہ زندگی کی اعلیٰ حقیقتوں اور ضرورتوں کو محسوس کر پاتا ہے۔ غالب بہیمیت اسے اس کا موقع ہی نہیں دیتی کہ وہ اپنی فطرت کے حقیقی تقاضوں کی طرف توجہ دے سکے۔ روزہ اس بات کا عملی مظاہرہ ہے کہ اکل و شرب اور جنسی خواہش کی تکمیل کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے جو ہماری توجہ کی طالب ہے۔ روزہ بندے کو خدا کی طرف اور زندگی کی ان اعلیٰ حقیقتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے جو حیاتِ انسانی کا اصل سرمایہ ہیں۔ وہ بندے کو تجرید کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچاتا ہے جہاں بندہ اپنے رب سے بیحد قریب

ہوجاتا ہے، جہاں تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور نفسیاتی حجابات اٹھ جاتے ہیں۔اس حقیقت کے پیشِ نظر علماء نے کہا ہے: كَمْ مِنْ مُّفْطِرٍ صَائِمٌ وَ كَمْ مِّنْ صَائِمٍ مُّفْطِرٌ۔ ''کتنے ہی لوگ روزے سے نہیں ہوتے اس کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے وہ صائم ہوتے ہیں اور کتنے ہی لوگ روزہ رکھتے ہوئے بھی درحقیقت روزہ دار نہیں ہوتے۔'' روزہ بظاہر اس چیز کا نام ہے کہ آدمی سحر کے وقت سے لے کر سورج غروب ہونے تک کھانے پینے اور جنسی خواہش کے پورا کرنے سے رکا رہے لیکن اپنی روح کے لحاظ سے روزہ جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنی خواہشات پر قابو ہو اور اسے تقویٰ کی زندگی حاصل ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بظاہر تو روزے سے ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا روزہ نہیں ہوتا نہ اس کی نگاہیں عفیف ہوتی ہیں اور نہ اس کی زندگی پاکیزگی اور خداترسی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

روزے کے لیے قرآن نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ''صوم'' ہے۔صوم کے لغوی معنی احتراز واجتناب اور خاموشی کے ہیں۔امام راغبؔ فرماتے ہیں:

> ''صوم'' کے اصل معنی کسی کام سے رک جانے کے ہیں، خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا بات چیت کرنے اور چلنے پھرنے سے ہو۔اسی وجہ سے گھوڑا چلنے پھرنے یا چارہ کھانے سے رک جائے تو اسے صائم کہتے ہیں۔شاعر کہتا ہے: خيل صام، اخرى غير صائمة (بعض گھوڑے نہیں کھارہے تھے اور بعض چارہ کھارہے تھے) تھمی ہوئی ہوا اور دوپہر کے وقت کو بھی صوم کہتے ہیں، اس تصور کے ساتھ کہ اس وقت سورج وسطِ آسمان میں رُک جاتا ہے۔''

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ درحقیقت کسی چیز سے رک جانے کی کیفیت کا نام صوم ہے۔ روزہ حقیقت میں اسی شخص کا ہے جو روزے کی حالت میں تو کھانے پینے اور جنسی خواہش کو پورا کرنے سے باز رہے لیکن گناہوں کے ارتکاب اور ناپسندیدہ طرزِعمل کو ہمیشہ کے لیے ترک کردے۔

روزہ اپنے آپ کو خدا کے لیے ہر چیز سے فارغ کر لینے اور کامل طور پر خدا کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے۔اس پہلو سے روزے کو اعتکاف سے بڑی مناسبت ہے۔یہی وجہ ہے کہ اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھنا ضروری سمجھا گیا ہے بلکہ قدیم شریعت میں تو روزے کی حالت میں

بات چیت سے بھی احتراز کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے موقع پر حضرت مریمؑ بے حد پریشان ہوئیں اور انھوں نے یہاں تک کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور لوگ مجھے بالکل بھول جاتے۔ اس وقت انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا گیا تھا:

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ (مریم:۲۶)

''پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے، تو (اشارے سے) کہہ دینا: میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، میں آج کسی آدمی سے نہ بولوں گی۔''

روزہ میں انسان کو فرشتوں سے بڑی حد تک مشابہت حاصل ہوتی ہے۔ فرشتے کھانے پینے کی ساری ضرورتوں سے مستغنی ہیں۔ ان کی غذا خدا کی حمد و تسبیح ہے۔ روزہ کی حالت میں مومن بندہ بھی خواہشاتِ نفس اور کھانے پینے سے کنارہ کش ہو کر خدا کی بندگی اور عبادت میں مصروف نظر آتا ہے۔

روزہ رکھ کر بندہ اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پاتا ہے۔ اس شخص سے جو اپنے نفس کو زیر نہ کر سکے آپ اس بات کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ حق کی حمایت اور باطل کے استیصال کے لیے جان توڑ کوشش کر سکتا ہے۔ جہاد کے لیے صبر اور عزیمت دونوں درکار ہیں۔ صبر اور عزیمت روزے کی خصوصیات میں سے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے روزے کے مہینے کو ''صبر کا مہینہ'' کہا ہے۔ رمضان کے مہینے میں مسلسل ایک مہینے تک صبر، ضبط اور خدا کی اطاعت کی مشق کرائی جاتی ہے۔

عام حالات میں آدمی کو دوسروں کی تکلیف اور بھوک پیاس کا احساس نہیں ہو پاتا۔ روزہ میں بھوک پیاس کا عملی تجربہ آدمی کے اندر فطری طور پر یہ احساس ابھارتا ہے کہ وہ ناداروں اور ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے اور انھیں ان کی پریشان حالی میں نہ چھوڑے۔ نبی کریم ﷺ رمضان کے مہینے کو ''مواسات کا مہینہ'' کہتے تھے اور اس مہینہ میں آپ انتہا درجہ فیاض ہوتے تھے۔

روزہ سراپا عاجزی و خاکساری کا اظہار بھی ہے۔ اسی لیے کفارۂ سیات میں روزے کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ شریعت میں کفارے کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم آتا ہے۔ روزہ نہ صرف یہ کہ گناہ کے اثرات کو دل سے مٹاتا ہے، بلکہ دعا کی قبولیت اور اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے

کا مؤثر ذریعہ بھی ہے۔قدیم صحیفوں میں بھی روزے کی اس خصوصیت کا ذکر ملتا ہے:

''خداوند کا روز (ایام اللہ) عظیم اور خوفناک ہے۔کون اس کی برداشت کرسکتا ہے؟ لیکن خداوند فرماتا ہے۔اب بھی پورے دل سے روزہ رکھ کر اور گریہ وزاری اور ماتم کرتے ہوئے میری طرف رجوع لاؤ اور کپڑوں کو نہیں بلکہ دلوں کو چاک کرکے خداوند اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو کیونکہ وہ رحیم اور مہربان، قہر میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے اور عذاب نازل کرنے سے باز رہتا ہے۔'' (یوایل ۲:۱۱-۱۳)

روزہ مقدس ترین عبادت ہے۔روزہ خدا کی بڑائی اور عظمت کا مظہر اور اظہارِ شکر کا ذریعہ ہے۔روزے کے ذیل میں قرآن مجید میں جہاں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔(تاکہ تقویٰ حاصل کرو) فرمایا گیا ہے، وہیں یہ بھی ارشاد ہوا:

وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(البقرہ:۱۸۵)

''اور تاکہ اس ہدایت پر جو تمھیں بخشی گئی ہے اللہ کی بڑائی کرو اور تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔''

بنی نوع انسان پر یوں تو خدا کے بے شمار احسانات ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں قرآن جیسی نعمت سے نوازا۔قرآن نے انسان کو حیاتِ ابدی کا راستہ دکھایا۔انسان کو اخلاق کے اس بلند مرتبہ سے آشنا کیا جس کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔روزہ رکھ کر بندہ خدا کی اس عظیم عطا اور بخشش پر خوشی اور شکر گزاری کا اظہار کرتا ہے۔انسان خدا کا بندہ اور اس کا پروردہ ہے۔خدا اس کا آقا و معبود ہے۔انسان کے لیے خوشی اور مسرت کا بہترین اور کامل ذریعہ وہی ہے جس سے اس تعلق اور رشتہ کا اظہار ہوتا ہے جو رشتہ اور تعلق اس کا اپنے خدا سے ہے ؎

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟

یہ اظہارِ تعلق فطری طور پر خدا کے احسانات کا اعتراف بھی ہوگا جو شکر کی اصل بنیاد ہے۔ رمضان کا مہینہ خاص طور پر روزے کے لیے اس لیے منتخب فرمایا گیا کہ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس

میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا۔ نزولِ قرآن کے مقاصد اور روزہ میں بڑی مناسبت پائی جاتی ہے۔ قرآن جن مقاصد کے تحت نازل ہوا ہے۔ ان کے حصول میں روزہ معاون ثابت ہوتا ہے۔

رمضان میں ایک ساتھ مل کر روزہ رکھنے سے نیکی اور روحانیت کی فضا پیدا ہوجاتی ہے جس کا دلوں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ کم ہمت اور کمزور ارادہ کے آدمی کے لیے بھی نیکی اور تقویٰ کی راہ پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔ کامیاب وہی ہے جس پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ اس کی ذمہ داری صرف روزے کے ظاہری آداب وشرائط کی نگہداشت تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ روزے کے اصل مقصد سے غافل نہ ہو۔ روزے کا اصل مقصد اور اس کی غرض وغایت صرف روزے کے زمانے تک مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسان کے پورے عرصۂ حیات سے ہے۔ قدیم صحائف میں بھی ایسے روزوں کو بے وقعت قرار دیا گیا ہے جس کا تقویٰ، اخلاص اور اعلیٰ اخلاق سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ذیل کے فقرے کس قدر مؤثر ہیں:

> ”تم اس طرح کا روزہ نہیں رکھتے ہو کہ تمھاری آواز عالمِ بالا پر سنی جائے۔
> کیا یہ وہ روزہ ہے جو مجھ کو پسند ہے؟ کیا وہ روزہ جو میں چاہتا ہوں یہ نہیں کہ ظلم کی زنجیریں توڑیں اور جوئے کے بندھن کھولیں اور مظلوموں کو آزاد کریں، بلکہ ہر ایک جوئے کو توڑ ڈالیں، کیا یہ نہیں کہ تو اپنی روٹی بھوکوں کو کھلائے اور مسکینوں کو جو آوارہ ہیں اپنے گھر میں لائے اور جب کسی کو ننگا دیکھے تو اسے پہنائے اور تو اپنے ہم جلیس سے روپوشی نہ کرے؟ تب تیری روشنی صبح کی مانند پھوٹ نکلے گی... اور اگر تو اپنے دل کو بھوکے کی طرف مائل کرے اور آزرہ دل کو آسودہ کرے تو تیرا نور تاریکی میں چمکے گا اور تیری تیرگی دوپہر کی مانند ہوجائے گی۔“ (یسعیاہ ۵۸ کے ابتدائی فقرے)

اگر روزے سے واقعتہً فائدہ اٹھایا جائے تو وہ آدمی کو اس مقام پر کھڑا کردیتا ہے کہ اسے ہمہ وقت اپنی ذمہ داری کا احساس رہتا ہے۔ اس کے شب وروز کبھی بے خوفی اور بے پروائی کے ساتھ بسر نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ گناہوں اور ناپسندیدہ کاموں سے اجتناب کرے گا، اور اپنے مقصدِ زندگی کو پیشِ نظر رکھے گا۔

روزہ کی حقیقت

(۱) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ ؓ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ! قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَکٌ شَهْرٌ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً وَ قِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَ مَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ وَ هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَ شَهْرٌ یُزَادُ فِیْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِیْهِ صَائِمًا کَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَ عِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ، وَ کَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُعْطِی اللّٰهُ هٰذِهِ الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَ مَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَةً لَا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَ هُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْکِهٖ فِیْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا: ”اے لوگو! تم پر ایک بڑی عظمت والا بابرکت مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے کو اللہ نے فرض قرار دیا ہے اور اس کی راتوں میں (خدا کی بارگاہ میں) کھڑا ہونے کو نفل مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی نیک نفل کام اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو وہ ایسا ہوگا جیسے اس مہینے کے سوا دوسرے مہینے میں کسی نے فرض ادا کیا ہو اور جو اس مہینہ میں فرض ادا کرے گا وہ ایسا ہوگا جیسے اس مہینے میں کسی نے ستر فرض ادا کیے۔ اور یہ صبر کا مہینہ ہے۔ اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ ہمدردی و غم خواری کا مہینہ ہے۔ اور وہ مہینہ ہے جس میں ایمان والوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس کسی نے اس میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور (جہنم کی)

آگ سے آزادی کا سبب ہوگا اور اسے اس روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔"

آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم میں ہر ایک کو سامان میسر نہیں ہوتا۔ جس سے وہ روزہ دار کو افطار کرا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا کھجور پر یا پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کو افطار کرا دے اور کوئی کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے اللہ اسے میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا کہ اس کو پیاس ہی نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ (رمضان) وہ مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ (دوزخ کی) آگ سے آزادی ہے۔ اور جو شخص اس مہینہ میں اپنے مملوک (غلام یا خادم) کے کام میں تخفیف کر دے گا اللہ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے (دوزخ کی) آگ سے آزادی دیدے گا۔"

تشریح: عظمت اور برکت والے مہینہ سے مراد رمضان کا مبارک مہینہ ہے۔ رمضان کی فضیلت اور خصوصیت کے سلسلہ میں کئی باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں۔ آپ نے شب قدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ قرآن اسی مبارک رات سے اترنا شروع ہوا ہے۔ اس رات کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں ان باتوں کا فیصلہ ہوتا ہے جو علم و حکمت پر مبنی ہوتی ہیں اور جن میں دنیا کی فلاح اور بھلائی ہوتی ہے، دنیا کے معاملوں کا فیصلہ اسی رات میں ہوتا ہے، وہ رات جس میں قرآن اترنا شروع ہوا ہے وہ کوئی معمولی رات نہیں ہو سکتی۔ یہ رات تو ہزاروں مہینوں سے بہتر ہے۔ کبھی ہزار مہینوں میں بھی انسانوں کی فلاح کے لیے وہ کام نہیں ہوا جو اس ایک رات میں ہوا۔ اس رات کو فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔ (دیکھیے سورۃ القدر اور سورۃ الدخان: ۳-۵)

رمضان میں دن کو روزہ رکھنا فرض ہے اور رات کو تراویح پڑھنا اور زیادہ سے زیادہ نماز میں خدا کے حضور کھڑا ہونا فرض تو نہیں ہے لیکن یہ عمل اللہ کو بے حد پسند ہے۔

رمضان کا مہینہ روزہ کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس مہینے میں تمام مسلمان مل کر روزہ رکھتے ہیں۔ اس طرح انفرادی عبادت ایک اجتماعی عبادت بن جاتی ہے۔ لوگوں کے الگ الگ روزہ رکھنے سے جو روحانی و اخلاقی فائدے ہو سکتے تھے، سب کے مل کر روزہ رکھنے سے وہ

فائدے بے حد وحساب بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان کا یہ مہینہ پوری فضا کو نیکی اور پرہیز گاری کی روح سے بھر دیتا ہے۔ آدمی کو روزہ رکھ کر گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لوگوں میں نیکی کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔ اوران کے دلوں میں یہ خواہش ابھرتی ہے کہ وہ غریبوں اور محتاجوں کے کام آئیں اور نیک کاموں میں حصہ لیں۔ نیکیوں کی تاثیر اور برکت بڑھ جاتی ہے اس لیے اللہ کے یہاں ان کے اجر میں بھی بے انتہا اضافہ ہوجاتا ہے۔

اس مہینہ میں آدمی بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا کر اپنی خواہشات پر قابو پانے اور اپنے کو خدائی احکام کا پابند بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے اندر ایسی صلاحیت اور قوت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ خدا کے راستے میں صبر واستقامت کے ساتھ آگے بڑھ سکے اور ان تکالیف ومصائب کا جو اسے راہِ حق میں پیش آئیں، پامردی کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

روزہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ شدت کے ساتھ پیدا ہونا چاہیے بھوک پیاس میں مبتلا ہو کر آدمی اس بات کو اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ مفلسی اور تنگ دستی میں آدمی پر کیا کچھ گزرتی ہے۔ خود نبی ﷺ اس مہینہ میں بے انتہا رحیم وشفیق ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل دروازے سے خالی نہیں جاتا تھا اور نہ کوئی قیدی قید میں رہتا تھا۔ ظاہری اور روحانی ہر طرح کی برکات اس مہینہ میں حاصل ہوتی ہیں۔

یہ مہینہ نیکیوں کی بہار لے کر آتا ہے۔ اہلِ ایمان اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت اور بندگی میں لگ جاتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں پر خدا کی خاص رحمت اور عنایت ہوتی ہے یہاں تک کہ رمضان کا ابتدائی حصہ گزرنے کے بعد اہلِ ایمان اور خدا کے اطاعت گزار بندوں کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ خدا ان کی پچھلی غلطیوں اور گناہوں سے درگزر فرمائے اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دے۔ اس مہینے کے آخری حصہ تک پہنچتے پہنچتے اس مبارک مہینہ سے فائدہ اٹھانے والوں کی زندگیوں میں اتنی پاکیزگی آجاتی ہے اور اس درجہ کا تقویٰ اور خدا ترسی کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نجات یافتہ قرار دیے جانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ خدا دوزخ سے ان کی رہائی اور آزادی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِاءَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِيْ

وَ اَنَا اَجۡزِیۡ بِهٖ یَدَعُ شَهۡوَتَهٗ وَ طَعَامَهٗ مِنۡ اَجۡلِیۡ، لِلصَّائِمِ فَرۡحَتَانِ، فَرۡحَةٌ عِنۡدَ فِطۡرِهٖ وَ فَرۡحَةٌ عِنۡدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَ لَخَلُوۡفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطۡیَبُ عِنۡدَ اللّٰهِ مِنۡ رِّیۡحِ الۡمِسۡکِ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ وَ اِذَا کَانَ یَوۡمُ صَوۡمِ اَحَدِکُمۡ فَلَا یَرۡفُثۡ وَلَا یَصۡخَبۡ فَاِنۡ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوۡ قَاتَلَهٗ فَلۡیَقُلۡ اِنِّیۡ اِمۡرَءٌ صَائِمٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابن آدم کے ہر عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (جتنا چاہوں گا) بدلہ دوں گا۔ انسان اپنی شہوتِ نفس اور اپنا کھانا میری ہی خاطر چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں۔ ایک مسرت افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب کی ملاقات کے وقت۔ اور روزہ دار کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ شور و شغب اور دنگا فساد کرے اور اگر اسے کوئی گالی دے یا اس سے لڑے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں (میں تمھارے اس مشغلہ میں حصہ نہیں لے سکتا)۔“

تشریح: اس حدیث میں کئی اہم اور بنیادی باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمالِ نیک کا اجر ان کی نیتوں اور خلوص کے اعتبار سے دس گنے سے سات سو گنے تک دیتا ہے لیکن روزے کا معاملہ اس عام قانون سے مختلف ہے۔ روزہ خاص خدا کے لیے ہوتا ہے۔ دوسری عبادتیں اور نیکیاں کسی نہ کسی ظاہری صورت میں کی جاتی ہیں۔ اس لیے دوسرے لوگوں سے چھپانا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ لیکن روزہ ایسا خاموش اور غیر مرئی عمل ہے جس کو روزہ دار اور خدا کے سوا دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔ اس لیے اللہ اس کا اجر بھی بے حد و حساب عطا فرمائے گا۔ اس کے علاوہ رمضان میں نیکی اور تقویٰ کا عام ماحول میسر آتا ہے جس میں خیر اور صلاح کے پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ آدمی جتنی زیادہ نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اس مہینے میں عمل کرے گا اور جتنا زیادہ رمضان کی برکتوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور سال کے باقی گیارہ مہینوں میں رمضان کے اثرات کو باقی رکھے گا اتنا ہی زیادہ اس کے نیک اعمال پھلتے پھولتے رہیں گے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ خصوصیت عام حالات میں دیگر اعمال کو حاصل نہیں ہے۔

بندہ روزے میں خدا کے لیے نہ اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے اور نہ کھاتا پیتا ہے تو خدا بھی ان ظاہری نعمتوں سے بڑھ کر اسے نعمت عطا کرتا ہے۔

روزے دار کے لیے دو مسرتیں ہیں۔ ایک مسرت اور خوشی اسے دنیا ہی میں افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کے بعد جب وہ شام کو افطار کرتا ہے تو اسے جو لذت اور راحت حاصل ہوتی ہے وہ عام حالات میں کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کی بھوک پیاس بھی دور ہوجاتی ہے اور اسے یہ روحانی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے کہ اس کو اللہ کے حکم کی تعمیل کی توفیق ملی۔ روزِ محشر میں خدا سے ملاقات کی جو خوشی حاصل ہوگی اس کا تو کہنا ہی کیا۔ اس خوشی کا مقابلہ تو کوئی بھی خوشی نہیں کرسکتی۔

روزے کی حالت میں منہ کی بو خراب ہوجاتی ہے (اس لیے بار بار مسواک کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے) لیکن اللہ کی نگاہ میں وہ مشک کی خوشبو سے کہیں زیادہ قابلِ قدر ہے اس لیے کہ یہ بو اس بھوک اور پیاس کی وجہ سے ہے جس کے پیچھے خدا کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کی طلب کے سوا کوئی اور جذبہ کام نہیں کررہا تھا۔ روزہ کی حیثیت ڈھال کی ہوتی ہے۔ جس طرح ڈھال کے ذریعہ آدمی دشمن کے وار سے اپنے کو بچاتا ہے اسی طرح روزہ شیطان اور نفس کے حملوں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ روزہ کے آداب کا آدمی اگر لحاظ رکھے تو وہ روزہ کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور آخرت میں آتشِ دوزخ سے نجات پاسکتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ وَ مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے اس کے سب پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور (اسی طرح) جو رمضان میں ایمان اور احتساب کے ساتھ (راتوں میں) کھڑا ہوگا اس کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور (اسی طرح) جو شبِ قدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کرے گا اس کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔"

تشریح: ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور آخرت کا وہ عقیدہ اسلام نے دیا ہے وہ اس کے ذہن میں تازہ رہے اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی رضا کا طالب ہو۔ ہر وقت اپنے خیالات

اور اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ خدا کی رضا کے خلاف تو نہیں جارہا ہے۔ اس کے اعمال وافکار کے پیچھے کوئی غلط قسم کا جذبہ ہرگز نہ ہو۔ ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھنے سے اللہ اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دے گا اس لیے کہ وہ کبھی خدا کا نافرمان تھا بھی تو اب وہ نافرمانی سے باز آ گیا اور خدا کی طرف رجوع کرلیا۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: سَمِعَ رَجُلاً يَتَجَشَّاءُ فَقَالَ: اَقْصِرْ مِنْ جُشَاءِكَ فَاِنَّ اَطْوَلَ النَّاسِ جُوْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَطْوَلُهُمْ شَبعًا فِي الدُّنْيَا۔

(شرح السنہ، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکار لیتے سنا تو فرمایا: ’’اپنی ڈکار کو کم کر اس لیے کہ قیامت کے دن سب سے بڑھ کر بھوکا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں خوب پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔‘‘

تشریح: یعنی آخرت میں آسودگی اور چین وراحت تو اس شخص کے لیے ہے جس کو آخرت کی فکر نے دنیا میں آسودہ ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ اتنا زیادہ کھانا کہ آدمی لمبی لمبی ڈکاریں لیتا پھرے، آدمی کو کسل مند وغفلت شعار بنا دیتا ہے۔ غافل شخص اپنے دل کو تاریکی سے بچا نہیں سکتا۔ دل کی تاریکی سب سے بڑی محرومی ہے۔ روزہ آدمی کو اس بات کا سبق دیتا ہے کہ وہ شکم پروری کو حیات کا اصل مقصود نہ سمجھے، زندگی کی قدر وقیمت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: مَا مَلأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُكُلاَتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ كَانَ لاَ مَحَالَةَ فَثُلُثٌ طَعَامٌ وَ ثُلُثٌ شَرَابٌ وَ ثُلُثٌ لِّنَفْسِهٖ (ترمذی۔ ابن ماجہ) ’’آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہیں بھرا۔ (جبکہ پیٹ کو اس طرح بھرا جائے کہ آدمی محض چرنے چگنے والا جانور بن کر رہ جائے اور دین کے تقاضوں کو سمجھنے سے قاصر ہی رہے) آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھی رکھ سکیں اور اگر پیٹ بھرنا ضروری ہو تو پیٹ کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ کھانے کے لیے۔ ایک پینے کے لیے اور ایک حصہ اپنے لیے (یعنی سانس وغیرہ لینے کے لیے)۔‘‘

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لِكُلِّ شَيْءٍ زَكٰوةٌ وَ زَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔

(ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔“

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ وہ (روزہ رکھ کر) اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ میں بھوکا پیاسا رہنا بذاتِ خود مطلوب نہیں بلکہ روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ اور وہ خدا ترسی کی زندگی بسر کر سکے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: کَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَ کَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ۔ (دارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنھیں اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ پلے نہیں پڑتا اور کتنے ہی (راتوں کو نماز میں) کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ انھیں اپنے قیام سے رت جگے کے سوا کچھ پلے نہیں پڑتا۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے روزے اور قیام کے اصل مقصد کو سمجھا ہی نہیں اور نہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو پھر اس کی امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ روزے اور قیام فی اللیل اسے کوئی فائدہ پہنچے گا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ یَدِیْ اَوْ فِیْ یَدِهٖ قَالَ التَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یَمْلَاُهٗ وَالتَّکْبِیْرُ یَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: قبیلۂ بنی سلیم کے ایک (صحابی) شخص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے یا اپنے ہاتھ پر شمار کر کے فرمایا: ”تسبیح نصف میزان کو بھر دیتی ہے اور الحمدللہ اسے پورے طور پر پُر کر دیتا ہے

اور تکبیر جو کچھ آسمان اور زمین کے بیچ ہے سب کو بھر دیتا ہے اور روزہ نصف صبر اور پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔"

تشریح: تسبیح سے مراد ہے سبحان اللہ کہنا۔ خدا کی عظمت و برتری کا اظہار ایسا عمل ہے جو نصف میزانِ عمل کو بھر دینے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ یہ اظہار سچے دل سے ہوا ہو۔ سچے دل سے خدا کی عظمت کا اقرار آدمی کی زندگی کو بدل سکتا ہے پھر اس کی میزان نیکیوں سے کیوں نہ بھرے گی۔

الحمدللہ یعنی خدا کی حمد وستائش۔ جو زندگی خدا کی تسبیح اور حمد وستائش سے عبارت ہو وہی زندگی ایسی زندگی ہے جسے کامل زندگی کہا جا سکتا ہے اس لیے تسبیح وتحمید کے سبب میزانِ عمل کا پُر ہو جانا فطری سی بات ہے۔

تکبیر سے مراد ہے اللہ اکبر کہنا۔ جن کو حقیقی سماعت حاصل ہے انھیں کائنات میں ہر طرف، زمین میں بھی اور خلاؤں اور ستاروں میں بھی تکبیر ہی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ زمین آسمان کا ہر ذرّہ خدا کی کبریائی اور بڑائی کی داستان سنا رہا ہے۔ جب کوئی خدا کی بڑائی کا ترانہ گاتا ہے تو زمین وآسمان کا ہر ذرّہ اس کی 'سنگتی' کرتا ہے۔ گویا اس کے ساز کی آواز ساز کائنات کی آواز سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔

"روزہ نصف صبر ہے" مومن کی پوری زندگی کو ہم "صبر" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مومن ایک ضابطۂ حیات کا پابند ہوتا ہے۔ اس کا اصل مطمح نظر آخرت کی کامیابی ہے۔ وہ دنیا میں اس لیے زندہ رہتا ہے کہ خدا کی راہ میں سرگرمِ سفر ہو۔ اس کے لیے عظیم صبر کی ضرورت ہوتی ہے، صبر کے بغیر نہ تو آدمی خدا کی راہ میں ایک قدم چل سکتا ہے اور نہ اس کے بغیر اس کے کردار اور سیرت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس حدیث میں روزے کو نصف صبر کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے روزہ رکھ لیا اس نے صبر وثبات کی تربیت حاصل کر لی۔ اب ضرورت ہے کہ وہ اس سے اپنی پوری زندگی میں فائدہ اٹھائے اور اپنی پوری زندگی کو صبر کے سانچے میں ڈھالے۔ جس دن اس کی زندگی صبر کے سانچے میں ڈھل گئی۔ اس دن ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنے صبر کو کامل کر لیا۔ اس وقت نصف صبر نہیں اسے پورا صبر حاصل ہوگا۔

پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ اگر آدمی کا ظاہر اور باطن دونوں ہی پاک ہوں تو اسے ایمان کامل حاصل ہو گیا۔

﴿۹﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلٰوةَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَ كَانَ صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلٰوةَ قَالَ: اَعِيْدُوْا وُضُوْءَ كُمَا وَصَلٰوتَكُمَا وَ اَمْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَ اَقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ، قَالَ لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا۔
(البیہقی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ دو روزہ داروں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم دونوں دوبارہ وضو کرکے نماز پڑھو اور اپنا روزہ پورا کرکے دوسرے دن قضا روزہ رکھو۔ انھوں نے کہا: کیوں؟ یارسول اللہ! فرمایا: ”تم نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔“

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ نماز روزے کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جبکہ آدمی ہر طرح کی برائیوں سے اپنے کو بچائے یہاں تک کہ نہ تو کسی شخص کی غیبت کرے اور نہ کسی دوسرے گناہ میں مبتلا ہو۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى رَجُلًا قَدِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ وَ قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَالَهٗ فَقَالُوْا: رَجُلٌ صَائِمٌ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ الْبِرُّ اَنْ تَصُوْمُوْا فِي السَّفَرِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔
(بخاری ومسلم وغیرہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سفر میں تھے۔ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس لوگ جمع تھے اور اس پر سایہ کر رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ روزہ دار ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ نیکی نہیں ہے کہ سفر میں تم روزہ رکھو۔“ ایک روایت میں ہے، ”سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سفر میں تمھارے لیے روزہ رکھنا ناقابلِ برداشت ہے تو سفر میں روزہ کیوں رکھتے ہو۔ روزہ کا مقصد اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہرگز نہیں ہے، بلکہ روزہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرض کیا ہے کہ بندے اس کے ذریعہ سے پاکیزگی اور تقویٰ کی دولت سے ہمکنار ہوں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال جب نبی ﷺ مکہ کی طرف نکلے تو آپؐ نے اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ جب آپؐ کراع الغمیم پر پہنچے تو آپؐ کو اطلاع

ملی کہ لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو رہا ہے اور وہ آپؐ کے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ آپؐ نے عصر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگا کر پیا۔ لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور بعض لوگ اسی طرح روزہ رکھے رہے۔ پھر آپؐ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ (سخت تکلیف کے باوجود) روزے سے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہی لوگ نافرمان ہیں۔ (مسلم۔ترمذی۔نسائی)

ایک حدیث میں جس کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں، نبی ﷺ نے یہاں تک فرمایا۔ صَائِمُ رَمُضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفطِرِ فِي الْحَضَرِ۔ ”سفر میں رمضان کا روزہ رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ گھر پر رمضان کا روزہ نہ رکھنا“ (ابن ماجہ) مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر اگر اس کی طاقت نہیں ہے کہ وہ سفر میں روزہ رکھ سکے پھر بھی وہ روزہ رکھتا ہے تو درحقیقت وہ روزہ نہیں رکھتا بلکہ شریعت کو اپنے لیے مصیبت ٹھہراتا اور خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ دین کی فطری راہ سے ہٹا ہوا ہے۔ اسی دشواری اور مشکل کے پیش نظر حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”روزے میں وصال سے بچو۔“ وصال سے مراد یہ ہے کہ اس طرح دن رات مسلسل روزہ رکھا جائے کہ درمیان میں نہ سحری کھائی جائے اور نہ افطار کیا جائے۔ نبی ﷺ کو خدا نے خاص قوت عطا فرمائی تھی اس لیے آپ روزہ میں وصال بھی فرما لیتے تھے لیکن دوسروں کو آپؐ نے اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ روزے میں وصال کریں۔ (بخاری، مسلم وغیرہ)

(۱۱) وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ فِىْ غَيْرِ رُخْصَةٍ رَخَّصَهَا اللّٰهُ لَهٗ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صِيَامُ الدَّهْرِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص رمضان کا ایک روزہ اللہ کی دی ہوئی رخصت کے بغیر نہ رکھے تو ساری عمر یا سارے زمانے کے روزے بھی اسے پورا نہ کر سکیں گے۔“

تشریح: بیماری یا سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر کوئی بلا عذر کے رمضان میں کسی ایک دن روزہ نہیں رکھا تو حقیقت میں اس کی تلافی ممکن نہیں۔ وہ اس روزہ کے بدلے میں تمام عمر یا قیامت تک روزہ رکھے پھر بھی یہ روزے بغیر اجازت رمضان کے چھوڑے ہوئے کسی روزہ کا بدل نہیں ہو سکتے۔

نفل روزے

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَا عَبْدَ اللّٰہِ! اَلَمْ اُخْبِرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّھَارَ وَ تَقُوْمُ اللَّیْلَ؟ قُلْتُ: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ: فَلاَ تَفْعَلْ صُمْ وَ اَفْطِرْ وَ قُمْ وَ نَمْ، فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا لَاصَامَ مَنْ صَامَ الدَّھْرَ صَوْمُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مِّنْ کُلِّ شَھْرٍ صَوْمُ الدَّھْرِ کُلِّہٖ صُمْ کُلَّ شَھْرٍ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَّاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ کُلِّ شَھْرٍ قُلْتُ: اِنِّیْ اُطِیْقُ اَکْثَرَ مِنْ ذَالِکَ۔ قَالَ: صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاءُ وْدَ صِیَامُ یَوْمٍ وَ اِفْطَارُ یَوْمٍ وَاقْرَءْ فِیْ کُلِّ سَبْعِ لَیَالٍ مَرَّۃً وَلاَ تَزِدْ عَلٰی ذَالِکَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے اور رات کو (عبادت میں) کھڑے رہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ”ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی، رات میں کھڑے بھی رہو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمھارے ملاقاتیوں، مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ جس شخص نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے روزہ ہی نہیں رکھا۔ ہر مہینہ کے تین دن کے روزے ہمیشہ کے روزوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھو اور ہر مہینہ میں ایک قرآن پڑھو۔“ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: ”داؤدؑ کی طرح روزے رکھ لیا کرو۔ یہ روزہ کی بہترین شکل ہے ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور ہفتہ میں ایک قرآن پڑھ لیا کرو۔ اس پر اضافہ نہ کرو۔“

تشریح: اس حدیث سے کئی بنیادی باتیں معلوم ہوتی ہیں: یعنی روزے اور عبادت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آدمی زندگی کے دوسرے مطالبات اور ضرورتوں کو بھول جائے۔ اسے ہر معاملہ میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ وہ نفل روزے رکھے لیکن ہمیشہ روزے رکھنا صحیح نہیں ہے۔ وہ روزے بھی رکھے اور کھائے پیے بھی۔ اس طرح راتوں میں عبادت بھی کرے اور آرام کے لیے بھی وقت نکالے۔

ہمیشہ روزہ رکھنا اپنے کو بے جا مشقت میں ڈالنا ہے۔ اسلام میں جس روش کو پسند کیا گیا ہے وہ اعتدال کی روش ہے۔ مسلسل روزہ رکھنے سے روزے کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ روزے سے جو فوائد مقصود ہیں وہ بھی پورے طور پر حاصل نہیں ہوتے۔ جو شخص ہمیشہ روزہ سے رہے اس کے تمام دن یکساں ہوتے ہیں۔ روزے کے دنوں کا امتیاز غیر روزوں کے دنوں کے ذریعہ سے ہی ظاہر ہوتا ہے جس شخص کے یہاں غیر روزے کے دن ہی نہ آئیں اس کے روزے کوئی خصوصیت کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔

بعض صحابہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے روزے رکھنے کی اجازت دی تھی۔ پے در پے روزے رکھنے سے مراد کثرت سے روزے رکھنا ہے نہ کہ ہمیشہ روزے رکھنا۔

آدمی اگر ایمان و احتساب کے ساتھ ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھ لے تو گویا وہ ہمیشہ روزے سے رہتا ہے۔ مہینہ کے تین روزے اس کے پورے مہینے کو پاک اور منوّر رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے میں تین روزے رکھتے تھے۔ پہلے ہفتہ کے دوشنبہ اور پنج شنبہ کو اور دوسرے ہفتہ کے دوشنبہ کو۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ پوچھا کہ مہینے کے کون سے دنوں میں روزے رکھتے تھے۔ فرمایا: کسی دن کی پرواہ نہیں کرتے تھے، مہینے میں جس دن چاہتے رکھ لیتے۔ (ابوداؤد) معلوم ہوا کہ مہینے میں تین روزے کافی ہیں جب چاہے رکھ لے، تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں کی کوئی قید نہیں ہے۔ لیکن ان کے سلسلہ میں اکثر احادیث اور آثار واقع ہوئے ہیں اس لیے یہ روزے افضل سمجھے جائیں گے۔ مہینے کے تین روزوں کے علاوہ اور بھی دوسرے نفل روزوں کا تذکرہ احادیث میں آتا ہے۔ ہر شخص اپنی طاقت اور حالات کے لحاظ سے ان میں سے انتخاب کر سکتا ہے۔

روزہ کے فطری احکام

﴿۱﴾ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ جب تک افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے حالتِ خیر میں رہیں گے۔''

تشریح: مسند احمد کی ایک روایت میں مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ وَ اَخَّرُوا السَّحُوْرَ بھی ہے یعنی لوگ اس وقت تک حالت خیر میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے اور سحری کھانے میں تاخیر کریں گے۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے: قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُھُمْ فِطْرًا۔ ''اللہ عزوجل فرماتا ہے، میرا سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو افطار کرنے میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہے۔'' ابوداؤد کی روایت میں ہے: لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاھِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ۔ ''دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک کہ افطار میں لوگ عجلت سے کام لیتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر سے کام لیتے ہیں۔'' افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ لوگوں کی نگاہیں دین کی روح اور اصل مقصد سے ہٹی ہوئی نہیں ہیں بلکہ وہ حقیقت سے آشنا ہیں۔ ان کے یہاں جس چیز کی اصل اہمیت ہے وہ احکام کی روح اور ان کے مقاصد ہیں۔ آدمی کی نگاہ جب دین کی اصل اور غایت سے بے گانہ ہوجاتی ہے تو لازماً اس کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی احکام میں ظاہر کے لحاظ سے بے جا احتیاط اور غلو میں پڑ جاتا ہے۔ اس کا یہ غلو اور احتیاط ایک بڑی بیماری کا پتہ دیتی ہے، وہ یہ کہ اس کی نگاہ میں جس چیز کی اصل اہمیت حاصل ہونی چاہیے تھی اس سے وہ غافل ہوگیا ہے۔ جس کام کو جس طرح انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے اسے اسی طرح انجام دینا چاہیے۔ آدمی کو اپنی رائے اور اپنے ذوق کا پابند ہونے کے بجائے خود کو خدا کے حکم کا پابند بنانا چاہیے۔ یہی تقویٰ اور بندگی کا اصل تقاضا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلبۂ دین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنی خصوصیت اور امتیاز کو باقی رکھیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تَصُوْمُ الْمَرْاَۃُ وَ بَعْلُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب عورت کا شوہر موجود ہو تو وہ بغیر اس کی اجازت کے روزہ نہ رکھے۔''

تشریح: شوہر کی موجودگی میں اگر نفل روزہ رکھنا ہو تو اس سے اجازت لے لینی چاہیے۔ ورنہ

ہو سکتا ہے کہ شوہر کو مقاربت کی خواہش ہو اور بیوی کے روزہ سے ہونے کی وجہ سے اس کی خواہش پوری نہ ہو سکے اور اس طرح باہم ناخوشگواری کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس میں اور دوسری مصلحتیں بھی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ احکامِ دین میں انسانی جذبات اور ضروریات کی کتنی رعایت رکھی گئی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اِسْمُهٗ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ شَطْرَ الصَّلٰوةَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَ اَرْخَصَ لَهٗ فِی الْاِفْطَارِ وَ اَرْخَصَ فِيْهِ لِلْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى اِذَا خَافَتَا عَلٰى وَلَدَيْهِمَا۔ (اصحاب السنن)

ترجمہ: بنی عبداللہ بن کعب بن مالک قبیلہ کے ایک شخص جن کا نام انس بن مالک ہے، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے نصف نماز کر دی ہے اور اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اسی طرح اس عورت کو اجازت دی ہے جو بچہ کو دودھ پلاتی ہو یا حاملہ ہو جبکہ اسے اپنے حمل یا بچہ پر کسی قسم کی تکلیف کا خوف ہو۔“

تشریح: سفر میں مسافر کے لیے یہ آسانی پیدا کی گئی ہے کہ وہ پوری نماز پڑھنے کے بجائے قصر کرے۔ چار رکعت کی نماز ہے تو دو ہی رکعت ادا کرے۔ اسی طرح اگر رمضان کا مہینہ ہے تو سفر کی حالت میں اسے یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے، جتنے دن کے روزے چھوٹ گئے ہوں سفر کے بعد انھیں پورا کر لے۔ عورت اگر حاملہ ہے اور روزہ رکھنے سے کسی ضرر کا خوف ہے تو وہ بھی روزہ نہ رکھے۔ بعد میں چھوڑے ہوئے روزوں کو پورا کر لے۔ اسی طرح اگر بچہ دودھ پی رہا ہے اور ماں کے روزہ رکھنے سے اس بات کا اندیشہ ہے بچے کو تکلیف ہو گی تو وہ اس وقت روزہ نہ رکھے۔ یہ حدیث بھی اس کا بین ثبوت ہے کہ دین میں انسانی مصالح اور ضروریات کا حد درجہ لحاظ رکھا گیا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ نَّسِیَ وَ هُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ وَ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَ سَقَاهُ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی روزہ دار نے

بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ (توڑنے کے بجائے) پورا کرے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا پلایا (اس نے قصداً روزہ نہیں توڑا)۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تو آدمی کے تقویٰ اور اس کی نیتوں کو دیکھتا ہے۔ چونکہ اس شخص نے جان بوجھ کر نہیں بلکہ بھول کر کھایا پیا ہے اس لیے اس کے اس کھانے پینے سے اس کے تقویٰ اور حکمِ خداوندی کے احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حقیقت کی نگاہ میں کھانے پینے کے باوجود وہ صائم ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْاَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روزہ اسی دن ہے جس دن تم روزہ رکھو اور افطار اسی دن ہے جس دن تم افطار کرو، قربانی اسی دن ہے جس دن تم قربانی کرو۔"

تشریح: یعنی روزے کا آغاز اور اختتام اور قربانی کے دن کا تعین اجتماعی فیصلہ کے تحت ہوگا۔ جب قمری مہینے کے لحاظ سے روزے اور قربانی کا وقت آجائے تو آدمی روزہ رکھے اور قربانی کرے۔ اس کی توجہ خاص طور سے اس طرف رہنی چاہیے کہ اس کے اعمال میں زیادہ سے زیادہ تقویٰ کی روح پیدا ہو اس لیے اللہ کے یہاں اصل اہمیت اس کی نہیں ہے کہ کسی نے روزہ کب رکھا، افطار کب کیا اور قربانی کس دن کی، بلکہ اس کے یہاں اہمیت روزہ اور قربانی وغیرہ اعمال و عبادات کی ہے اور ان اعمال میں بھی اس کی نگاہ خاص طور سے اس روح اور جذبہ پر ہوتی ہے جو ان اعمال وعبادات کے پیچھے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ قربانی ہی کیا ہے جس کے پیچھے فدائیت، جاں نثاری اور کامل حوالگی کا جذبہ کام نہ کر رہا ہو اور وہ روزہ ہی کیا ہے جو دنیا میں آدمی کو ان چیزوں سے بے پروانہ کردے جو حقیقتاً مطلوب نہیں ہیں۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے۔ سارے منیٰ اور مکہ میں جتنے راستے ہیں سب نحر کی جگہ ہیں اور سارا مزدلفہ جائے وقوف ہے (ابوداؤد) معلوم ہوا کہ دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی گئی ہے۔ اصل اہمیت اخلاص وللّٰہیت کو حاصل ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: لَا تُقَدِّمُوْا صَوْمَ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ وَّلَا يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ صَوْمٌ يَصُوْمُهٗ رَجُلٌ فَلْيَصُمْ ذَالِكَ الصَّوْمَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''تم رمضان سے ٹھیک پہلے ایک یا دو روزے نہ رکھو لیکن جس شخص کا روزہ رکھنا معمول ہو وہ روزہ رکھ لے۔''

تشریح: مثلاً کسی کا پیر یا جمعرات کو روزہ رکھنے کا معمول ہو اور اتفاق سے رمضان سے ٹھیک پہلے یہی دن پڑتا ہو تو وہ روزہ رکھ لے۔ دوسرے لوگ رمضان سے متصل روزے نہ رکھیں۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا تا کہ رمضان کے روزوں کی اہمیت اور امتیاز مشتبہ نہ ہو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ ؓ اَنَّهٗ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا مِّنْ اَسْلَمَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّؤَذِّنَ فِي النَّاسِ مَنْ كَانَ لَمْ يَصُمْ فَلْيَصُمْ وَ مَنْ كَانَ اَكَلَ فَلْيُتِمَّ صِيَامَهٗ اِلَى اللَّيْلِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ اسلم سے ایک آدمی کو عاشوراء کے دن روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ لوگوں میں پکار کر کہہ دے کہ جس شخص نے روزہ نہ رکھا ہو وہ رکھ لے اور جس نے کھالیا ہو وہ اپنا امساک رات تک پورا کرے۔''

تشریح: یعنی جس نے کچھ کھا پی لیا ہو اسے بھی شام تک کچھ کھانا پینا نہیں چاہیے۔ روزے کے دن کا ادب واحترام اس پر بھی لازم ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ قَالُوْا: فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اِنَّكُمْ لَسْتُمْ فِیْ ذٰلِكَ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ يَسْقِيْنِیْ فَاكْلَفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچو صوم وصال سے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ تو وصال فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس معاملہ میں تم میرے جیسے نہیں ہو۔ میں تو رات اس طرح گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ پس تم اعمال کا اتنا ہی بار اٹھاؤ جتنے کی تمھیں طاقت ہو۔''

تشریح: روزہ پر روزہ رکھنا جس کے درمیان میں افطار نہ کیا جائے اس کو وصال کہتے ہیں۔ نبی ﷺ اس طرح کے روزے رکھتے تھے لیکن امت کو اس لیے منع فرمایا کہ وہ اس سے نا قابل برداشت مشقت میں پڑ جائے گی۔ اپنے بارے میں فرمایا کہ میرا معاملہ دیگر ہے۔ مجھے خدا ایسی

روحانی قوت عطا فرماتا ہے کہ میں وصال کر سکتا ہوں۔ عام لوگوں کو وہی بوجھ اٹھانا چاہیے جو وہ اٹھا سکیں۔

اعتکاف

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَّمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو اٹھالیا۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج (اہتمام سے) اعتکاف کرتی رہیں۔

تشریح: رمضان میں نبی ﷺ کا شوقِ عبادت حد درجہ بڑھ جاتا تھا۔ رمضان کے آخری ایام میں تو خاص طور سے آپ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔ رمضان کے آخری دس دن بالکل اللہ کے لیے فارغ کر لیتے اور مسجد میں معتکف ہو جاتے تھے۔ اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ سے لو لگائے اور اس کے آستانے پر (یعنی مسجد میں) پڑ جائے اور اسی کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جائے۔ معتکف ہو کر بندہ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا حقیقی تعلق اپنے رب کے سوا کسی اور سے نہیں ہے اس کی جلوت اور خلوت دونوں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ ہر حالت میں اللہ ہی کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اعتکاف کی روح درحقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو خدا کے کے لیے فارغ کر دینے پر قادر ہو سکے۔ روزے اور اعتکاف میں مقصد اور عمل دونوں لحاظ سے انتہا درجہ کی مناسبت اور اتحاد پایا جاتا ہے۔ اسی لیے روزے کو اعتکاف کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے اور رمضان کو اعتکاف کا بہترین زمانہ سمجھا گیا ہے۔ روزے کی خصوصیت کو مزید تقویت بخشنے کے لیے قدیم شریعت میں خاموش رہنے کو بھی جزوِ صوم بنایا گیا تھا اور اس طرح کا روزہ بھی مشروع ہوا تھا جس میں آدمی خدا کے سوا کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔

اعتکاف کا بہترین زمانہ رمضان کا ہے اور اس میں بھی خاص طور سے رمضان کا آخری عشرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اعتکاف کے لیے اسی کو خاص طور سے منتخب فرمایا گیا۔ حضور ﷺ ہر سال رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے۔ ایک سال کسی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے تو دوسرے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَمُرُّ بِالْمَرِيْضِ وَ هُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ وَلاَ يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ وَ قَالَ ابْنُ عِيْسٰى قَالَتْ: اِنْ كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَ هُوَ مُعْتَكِفٌ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ اعتکاف میں بیمار کے پاس سے گزرتے تو جس طرح گزر رہے ہوتے گزرتے، ٹھہرتے نہیں تھے۔ اس کی بیمار پرسی فرماتے۔ ابن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ اعتکاف میں بیمار پُرسی فرماتے تھے۔“

تشریح: حالت اعتکاف میں ہونے کی وجہ سے آپؐ ٹھہر کر تو عیادت نہیں فرماتے تھے البتہ گزرتے ہوئے بیمار کی خیریت معلوم کر لیتے، ٹھیک اسی طرح اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ دنیا سے اپنے دل کو اس طرح وابستہ نہ کریں کہ اسی کے ہو کر رہ جائیں۔ دنیا کی ان ذمہ داریوں کو جو ان پر ڈالی گئی ہیں، پورا ضرور کریں لیکن ان کا رخ ہمیشہ آخرت کی جانب رہے، وہ اسی کی طرف ہمیشہ عازمِ سفر رہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ اَحْيَا اللَّيْلَ وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ وَ شَدَّ الْمِئْزَرَ۔ (مسلم، بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو زیادہ سے زیادہ شب بیداری فرماتے اور اپنی بیویوں کو جگاتے (تاکہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کریں) اور آپؐ تہبند کس لیتے۔“

تشریح: رمضان کے آخری عشرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ سے زیادہ رات میں بیدار ہو کر اللہ کی عبادت کرتے۔

”تہبند کس لیتے“ یہ محاورہ ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ پورے ذوق و شوق کے ساتھ عبادت کے لیے مستعد ہو جاتے تھے اور عبادت میں لگ جاتے تھے۔

شبِ قدر

﴿۱﴾ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ لِلَيْلَةِ الْقَدْرِ اِنَّ نَاسًا مِّنْكُمْ قَدْ اُرُوْا اَنَّهَا فِى السَّبْعِ الْاَوَّلِ وَ اُرِىَ نَاسٌ مِّنْكُمْ اَنَّهَا فِى السَّبْعِ

الْغَوَابِرِ فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْغَوَابِرِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت سالمؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، ”تم میں سے کچھ لوگوں نے اول سات تاریخوں میں شب قدر دیکھی ہے اور تم میں سے کچھ لوگوں نے آخر کی سات تاریخوں میں اسے دیکھا ہے۔ پس تم آخر کی دس تاریخوں میں اسے تلاش کرو۔“

تشریح: یعنی اگر تم شروع کی سات تاریخوں میں شبِ قدر تلاش نہ کر سکے تو اب رمضان کی آخر کی دس تاریخوں میں اسے تلاش کرو یعنی ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرو اور شبِ قدر کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کی کوشش کرو۔ رمضان کی ان مخصوص تاریخوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ کچھ اہلِ ایمان نے ان راتوں میں شبِ قدر دیکھی بھی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تاریخوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

شبِ قدر وہ مخصوص رات ہے جسے خدا نے خاص فضیلت عطا کی ہے۔ یہی وہ رات ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا جو خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ جو کام ہزاروں مہینوں میں نہ ہوا وہ اس ایک رات میں انجام پایا۔ اس رات کی فضیلت کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا تھا بلکہ قرآن اس رات میں اس لیے نازل کیا گیا کہ یہ افضل رات تھی۔ نزولِ قرآن سے اس رات کی فضیلت ظاہر ہوئی جس رات کو خدا کی عنایت و رحمت سے خاص نسبت حاصل ہو وہ رات کبھی خیر و برکت سے خالی نہیں ہو سکتی۔ خدا کی رحمت ہر تحدید سے مبرّا ہے۔ جو چیز بھی اس سے مس ہو اور اسے اس سے کوئی نسبت حاصل ہو تو یہ نسبت دائمی قدر کی حامل ہوگی، یہ کوئی عارضی چیز ہرگز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی مقام پر خدا کا غضب ظاہر ہوا ہو تو اس مقام کو بھی ہمیشہ کے لیے خوف و اندیشہ کا مقام سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ حجر (قوم ثمود کے علاقہ) سے گزرے تو فرمایا کہ ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہو۔ اگر داخل ہو تو روتے ہوئے داخل ہو۔ بچو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب آجائے جو ان پر (ثمود پر) آیا تھا۔ پھر آپؐ نے اپنی سواری کو ڈانٹا اور اسے تیزی سے بڑھایا یہاں تک کہ حجر پیچھے رہ گیا (مسلم) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے وہاں کے کنوؤں سے پینے کے لیے پانی لیا تھا اور اس سے آٹا بھی گوندھا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ وہ پانی پھینک دیا جائے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے اور حکم دیا کہ

پینے کا پانی اس کنویں سے لیں جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی (پانی پینے) آتی تھی۔ (مسلم)

شب قدر کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی اس کا موقع رکھا گیا ہے کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمائے اور بندہ اپنے رب کی خصوصی توجہ اور عنایت کا جویا ہو سکے۔

چنانچہ حدیث میں ہے: اِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَةً لاَ یُوَافِقُھَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ یَسْئَلُ اللّٰهَ خَیْرًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ ذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَةٍ۔ (مسلم، رواہ جابرؓ)

”رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت ایک مسلم شخص اللہ سے دنیا و آخرت کی جو بھلائی بھی چاہے اللہ اس کو عطا فرمائے گا اور یہ ہر رات میں ہوتی ہے۔“

❀

حج

حج کے اصل معنی ہیں زیارت کا قصد کرنا۔ حج میں ہر طرف کے لوگ کعبہ کی زیارت کا قصد و ارادہ کرتے ہیں اسی لیے اس کا نام حج رکھا گیا ہے۔ حج کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ط وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ o (آل عمران: ۹۷)

''لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو شخص اس گھر (کعبہ) تک پہنچ سکتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس کسی نے کفر کی روش اختیار کی تو (وہ جان لے کہ) اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔''

حج کے لیے جانا حقیقت کی نگاہ میں خدا کی پکار پر لبیک کہنا ہے۔ خدا کی طلبی پر اس کے در پر حاضری دینا ہے اس لیے قدرت رکھنے کے باوجود جو شخص فریضۂ حج سے غافل ہے وہ درحقیقت خدا سے منھ پھیرے ہوئے ہے۔ خدا سے منھ موڑ کر آدمی خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے، اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔

اللہ نے کعبہ کو سراپا خیر و برکت اور ساری دنیا کی ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ یہ خالص توحید کا مرکز ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے اس گھر کی تعمیر خدا کے حکم سے کی تھی۔ اس تعمیر کی جگہ بھی اللہ ہی نے تجویز فرمائی تھی۔ اس گھر کو اپنا گھر کہہ کر خدا نے اس کی عظمت اور اہمیت بڑھا دی ہے اور دنیا میں اسے مرکزیت عطا فرمائی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ وہ نبی ہیں جنھیں اللہ نے ساری دنیا کا امام قرار دیا ہے۔ حضرت

ابراہیمؑ کو ہدایت فرمائی گئی کہ وہ لوگوں میں حج کی عام منادی کرادیں تاکہ جولوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں۔ وہ سب کے سب اس مرکز سے وابستہ ہوجائیں۔ سال میں ایک بار حج کے لیے یہاں جمع ہوں اور اس گھر کا طواف کریں۔ سب مل کر خدا کی عبادت کریں، قربانی کریں، خود بھی کھائیں اور تنگ دست اور محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔ کعبہ ایک طرف حقیقی عبادت گاہ اور اصل مسجد ہے دوسری مسجدیں اسی کی قائم مقام ہیں۔ دوسری طرف اس گھر کی تعمیر کے بنیادی مقاصد میں کمزوروں، محتاجوں اور مسکینوں کی خبر گیری بھی شامل ہے، اس طرح کعبہ پورے دین کا مرکز قرار پاتا ہے۔ اس کے ساتھ آدمی کی وابستگی خدا کے دین کے ساتھ وابستہ رہنے کے ہم معنی ہے۔ اس گھر کا حج کرکے آدمی توحید خالص کا پیامی بن کر لوٹتا ہے۔ اس کے اندر یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ وہ توحید کے پیام کو ساری دنیا میں عام کردے۔

حج ایک پہلو سے سب سے بڑی عبادت ہے۔ خدا کی محبت میں آدمی اپنا کاروبار اور اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کو چھوڑ کر لمبا سفر کرتا ہے، پھر اس کا یہ سفر عام سفروں کی طرح نہیں ہوتا۔ اس سفر میں وہ خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جیسے جیسے اللہ کا گھر قریب ہوتا جاتا ہے آتش شوق و محبت اور زیادہ بھڑکتی جاتی ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے شرمسار ہوتا ہے، سچے دل سے توبہ کرتا اور خدا سے نیک عمل کی توفیق طلب کرتا ہے۔ سرزمینِ حجاز میں داخل ہوتا ہے تو اسلام کی صداقت اور عظمت کا احساس بے انتہاء بڑھ جاتا ہے۔ اسلامی تاریخ نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ دل میں خدا اور اس کے دین کی عظمت و محبت کا ایسا نقش بیٹھ جاتا ہے جو مرتے دم تک محو نہیں ہوتا۔

حج کے جتنے مراسم ہیں ان سب سے آدمی کے دل پر توحید کا نقش قائم ہوتا ہے۔ حج کے اعمال میں سب سے پہلا عمل احرام باندھنا ہے۔ احرام ایک انتہائی فقیرانہ لباس ہے جس میں آدمی بس ایک تہبند باندھ لیتا ہے۔ کندھوں پر ایک چادر ڈال لیتا ہے۔ سر کو ننگا ہی رکھتا ہے۔ خواہ کوئی صدرِ مملکت ہو یا عام شہری، سب کے سب ایک سطح پر نظر آتے ہیں۔ سارے امتیازات ختم ہوجاتے ہیں۔ احرام باندھنے کے بعد اس کی زبان سے یہ کلمات نکلتے ہیں:

لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ،
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ۔

”حاضر ہوں، اے اللہ! میں تیرے حضور حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔

میں تیرے حضور حاضر ہوں۔ یقیناً حمد تیرے ہی لیے ہے سارے احسانات تیرے ہی ہیں۔ بادشاہی سراسر تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"

یہ الفاظ تو بتاتے ہیں کہ غلام اپنے آقا کی پکار پر لبیک کہتا ہوا، آقا کے گن گاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ ہر نماز کے بعد، ہر بلندی پر چڑھتے اور ہر پستی کی طرف اترتے ہوئے اور ہر صبح بیدار ہوکر بلند آواز سے یہی کلمات دہراتا ہے۔ مکہ میں داخل ہوکر کعبہ پہنچتا ہے، حجرِ اسود کو بوسہ دیتا ہے اور کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ کعبہ کے گرد سات چکر لگاتا ہے۔ پھر مقامِ ابراہیم پر یا مسجد حرام کے اندر کہیں دو رکعت نماز ادا کرتا ہے۔ پھر صفا کی پہاڑی پر جو کعبہ کے قریب ہی ہے چڑھتا ہے، کعبہ پر نظر ڈالتا ہے۔ پکار اٹھتا ہے۔ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں) اس کے بعد نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور ہاتھ پھیلا کر جو کچھ مانگنا ہوتا ہے، اللہ سے مانگتا ہے۔ پھر نیچے آتا ہے اور سامنے کی دوسری پہاڑی، مروہ، کی طرف تیز قدموں سے چلتا ہے جسے سعی کہتے ہیں۔ اس پر بھی پہنچ کر وہ تکبیر، تہلیل اور درود اور دعا میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ سات بار سعی کرتا ہے۔ ۸/ذی الحجہ کی صبح کو لوگ مکہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہ مقام مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں سے ۹/ذی الحجہ کی صبح کو حدودِ حرم سے باہر جا کر عرفات کے میدان میں پڑاؤ ڈالتے ہیں[1] پھر اسی شام کو پورا مجمع مزدلفہ جا کر ٹھہرتا ہے، پھر ۱۰/ذی الحجہ کو منیٰ واپس آجاتا ہے، پھر سب لوگ جمرۂ عقبہ کی طرف چلتے ہیں اور اس پر سات کنکریاں مارتے ہیں، پھر منیٰ میں قربانی کرتے ہیں، پھر وہاں بال منڈواتے یا ترشواتے ہیں، پھر مکہ پہنچ کر طواف کرتے ہیں۔ پھر منیٰ کو واپس ہوتے ہیں۔ وہاں دو یا تین روز قیام رہتا ہے۔ ان ایام میں ہر روز تینوں جمروں پر سات سات بار تکبیر کے ساتھ کنکریاں مارتے ہیں۔

---

(۱) عرفات میں حجاج کا اجتماع، میدانِ حشر میں خدا کے حضور پیشی کی یاد دلاتا ہے۔ قرآن میں بھی ہے: وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ج وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ لا لِمَنِ اتَّقٰی ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ o (البقرہ: ۲۰۳) "(حج کے مراسم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا) اور گنتی کے کچھ دنوں میں (منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو پھر جو کوئی دو ہی دن میں جلدی کرلے (اور لوٹ آئے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر کوئی ٹھہر جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ باتیں اس کے لیے ہیں جو ڈرتا ہے اور اللہ کا ڈر رکھو اور جان رکھو کہ تم سب اس کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔"

تیسرے دن ان ستونوں پر سنگ باری کر کے مکہ واپس ہوتے ہیں اور سات بار کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ طواف وداع کہلاتا ہے۔ اس طواف کے بعد حج سے فراغت ہوجاتی ہے۔ حج کے دوران میں کبھی امام کے خطبے سنتے ہیں کبھی لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے ہیں۔ کبھی نمازیں جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ یعنی عجلت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حج کے یہ مراسم ایک فوجی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ پانچ چھ روز تک لوگوں کو کیمپ کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ حج میں یوں تو ساری عبادتوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں لیکن جہاد سے اس کو خاص مشابہت حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا: ''جب جہاد سے فارغ ہو تو حج کے لیے کجاوے کسو کیونکہ حج بھی ایک جہاد ہے۔'' (بخاری)

حج کی ایک ایک چیز مومن کے دل میں توحید اور خدا کی محبت کا نقش قائم کرتی اور اسے جاں نثاری اور فدویت کا جذبۂ بے اختیار عطا کرتی ہے۔ کعبہ مومن کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اس امت سے تعلق رکھتا ہے جس کے ظہور میں آنے کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی اور جس کے برپا کیے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے دین کے لیے وقف ہو۔ حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اسے بوسہ دینا ایک طرف اس بات کی علامت ہے کہ آدمی خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر خدا سے اپنے عہدِ بندگی کی تجدید کر رہا ہے، دوسری طرف یہ بوسہ در حقیقت محبوب کے سنگ آستانہ کا بوسہ ہے۔ کعبہ کا طواف، فدویت اور جاں نثاری کے اس فطری جذبہ کا اظہار ہے جو ہر مومن کے دل میں اپنے محبوب آقا کے لیے پایا جاتا ہے۔ خدا تو اس سے بالاتر ہے کہ کوئی اس کے گرد گھوم سکے۔ اللہ نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ اپنی فطری خواہش کو اس کے گھر کا طواف کر کے پورا کریں۔ اس طرح خدا کی ذات تو اس سے بلند و بالاتر ہے کہ کوئی اس کے دامن سے لپٹ کر التجائیں کر سکے۔ ہماری نارسائیوں پر ترس کھا کر اس نے ہماری تسکین کا یہ سامان کیا ہے کہ ہم اس کے دامن سے لپٹ کر اپنی آرزوئیں پیش کرنے کی آرزو اس کی چوکھٹ سے لپٹ کر پوری کر لیں۔ چنانچہ طواف اور مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز سے فارغ ہونے کے بعد مُلتَزَم سے چمٹ کر دعائیں مانگتے ہیں۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ ہم اس طرح اپنے مالک کی خدمت اور اس کی خوشنودی کے لیے سرگرمِ عمل رہیں گے۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا راستہ ہی ہمارا

راستہ ہے۔ جمرات کے ستونوں پر کنکریاں مارنا درحقیقت ابرہہ کے لشکر کی تباہی کی یادگار ہے، جو عین حج کے موقع پر کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا تھا جسے کنکروں اور پتھروں کی بارش سے اللہ نے تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔

قربانی حقیقت میں قرآن کے الفاظ میں ''ذبحِ عظیم'' ہے۔ جو حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ قرار دیا گیا ہے۔ خدا کی راہ میں جانور قربان کرنا اپنے آپ کو قربان کرنے کا قائم مقام ہے۔ یہ درحقیقت اس بات کا اقرار ہے کہ ہماری جان خدا کی نذر ہے۔ جب وہ اسے طلب کرے گا ہم اسے پیش کر دیں گے، جب بھی خدا کی راہ میں خون بہانے کی ضرورت پیش آئے گی ہم اپنا خون بہائیں گے ورنہ محض جانور کو قربان کر دینا بجائے خود کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اس کے پیچھے کوئی عظیم اور پاک جذبہ کام نہ کر رہا ہو، چنانچہ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط

(الحج: ۳۷)

''نہ ان (قربانی کے جانوروں) کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن تمھارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے۔''

قربانی کا حکم صرف مکہ میں حج کے موقع پر ادا کرنے کے لیے نہیں بلکہ قربانی کرنے کی استطاعت رکھنے والے مسلمان جہاں بھی ہوں اس موقع پر انھیں قربانی کرنی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ جب تک مدینہ میں رہے ہر سال قربانی کرتے رہے۔

حج کی حقیقت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا۔ (مسلم، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے تو تم حج کرو۔''

تشریح: حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جو لوگ حج کرنے کی قدرت رکھتے ہیں ان پر حج کرنا فرض ہے۔ راجح قول کے مطابق حج کے فرض ہونے کا حکم ۹ ھ میں آیا۔ ۱۰ ھ

میں نبی ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ اپنی وفات کے صرف تین مہینے پیشتر حج کیا۔ یہ حج حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اسی حج کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں آپ پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے پسند کیا کہ تمھارا دین اسلام ہو'' حج اسلام کا آخری اور تکمیل رکن ہے۔ بندے کو اگر صحیح حج نصیب ہو جائے تو گویا اسے سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا اور اسے ایسی نعمت حاصل ہو گئی جس سے بڑی نعمت کا تصوّر اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ اَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍؓ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔ (احمد، نسائی، دارمی) ''لوگو! خدا نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔'' اقرع بن حابسؓ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپؐ نے فرمایا، ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور اگر واجب ہو جاتا تو تم اسے ادا نہ کر سکتے۔ اور نہ استطاعت رکھتے۔ حج (زندگی میں) ایک بار فرض ہے جو اس سے زیادہ کرے وہ نفل ہے۔''

(۲) وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ دریافت کیا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا: پھر کون سا (عمل افضل ہے)؟ آپؐ نے فرمایا: ''حج مبرور۔''

تشریح: ہر عمل کو اپنی جگہ کوئی نہ کوئی خصوصیت اور فضیلت حاصل ہے۔ حج بعض پہلوؤں سے نہ صرف یہ کہ سب سے بڑی اور جامع عبادت ہے بلکہ زندگی کی تمام سعی و جہد کا حاصل بھی ہے۔ حج میں بندہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا ہے اور قدم قدم پر اس کے صدقے ہوتا ہے۔ ایک

بندے کے لیے اس سے بڑھ کر اور سعادت کی بات کیا ہوسکتی ہے ۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کے جائے ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: یَقُوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: اِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهٗ جِسْمَهٗ وَوَسَّعْتُ عَلَیْهِ فِی الْمَعِیْشَةِ تَمْضِیْ عَلَیْهِ خَمْسَةُ اَعْوَامٍ لَا یَفِدُ اِلَیَّ لَمَحْرُوْمٌ۔ (ابن حبان، بیہقی)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”میں نے بندے کو جسمانی صحت بخشی اور اسے فارغ البالی عطا کی (ان نعمتوں کے باوجود) پانچ سال گزر گئے۔ وہ میری طرف نہیں آیا، پس وہ محروم ہے۔“

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا یُوْجِبُ الْحَجَّ؟ فَقَالَ: اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ فرمایا: ”زادِراہ اور سواری۔“

تشریح: یعنی اگر اس کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے کا انتظام کرسکے اور مصارفِ سفر برداشت کرسکے تو اس پر حج واجب ہے۔ اگر وہ حج نہیں کرتا تو گنہگار ہوگا۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا کَانَ یَوْمُ عَرَفَةَ اِنَّ اللّٰهَ یَنْزِلُ اِلَی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَیُبَاهِیْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ فَیَقُوْلُ انْظُرُوْا اِلٰی عِبَادِیْ اَتَوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَةُ یَا رَبِّ فُلَانٌ کَانَ یُرَهَّقُ وَ فُلَانٌ وَ فُلَانَةٌ قَالَ: یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: فَمَا مِنْ یَوْمٍ اَکْثَرَ عَتِیْقًا مِّنَ النَّارِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَةَ۔

(شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عرفہ کے دن اللہ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرشتوں کے درمیان حج کرنے والوں پر فخر کرتا ہے۔ فرماتا ہے: میرے بندوں کو دیکھو جو پریشان بال گرد آلود اور راستوں میں چیختے پکارتے ہوئے میرے پاس آئے

ہیں۔ میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں بخش دیا۔ اس پر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے رب! ان میں فلاں شخص بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ برا ہے، گنہگار ہے۔ فلاں شخص اور فلاں عورت بھی ہے (جو گنہگار ہیں)۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے، انھیں بھی میں نے بخش دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ کسی دن عرفہ کے دن سے زیادہ آگ سے چھٹکارا نہیں حاصل کرتے۔''

تشریح: اہلِ دنیا پر عرفہ کے دن اللہ خاص نگاہِ کرم فرماتا ہے۔ عرفہ کا دن ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے جس دن تمام حج کرنے والے میدانِ عرفات میں ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔

خدا کے حضور بندے کی یہ حاضری اپنے اندر اتنا اثر رکھتی ہے کہ اس سے دل کی بڑی سے بڑی سیاہی بھی دور ہوسکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس قیمتی موقع سے فائدہ نہ اٹھائے اور حج سے واپس آکر پھر انھی آلودگیوں اور گناہوں میں مبتلا ہوجائے جن سے وہ حج کی برکت سے چھٹکارا حاصل کرسکا تھا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ لَّمْ تَحْبِسْہُ حَاجَۃٌ ظَاہِرَۃٌ، اَوْ مَرَضٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَآئِرٌ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَھُوْدِیًّا وَ اِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا۔ (بیہقی)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو نہ کسی صریح ضرورت نے روکا ہو اور نہ کسی روکنے والے مرض نے اور نہ کسی ظالم حکمراں نے اور پھر اس نے حج نہ کیا اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔''

تشریح: قدرت رکھنے کے باوجود حج سے غفلت برتنا اس بات کی علامت ہے کہ بندے کا رخ بجائے خدا کی طرف ہونے کے کسی اور طرف ہے۔ جو وابستگی اسے توحید اور مرکزِ توحید سے ہونی چاہیے نہیں ہے اس لیے خدا کو بھی ایسے نافرمان اور ناسپاس شخص کی کوئی پرواہ نہیں، وہ جو چاہے کرے اور جس حالت میں چاہے مرے۔ قرآن میں بھی ارشاد ہوا ہے: وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط وَ مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ o (آل عمران: ۹۷) ''اور لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس خانۂ کعبہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

یہود و نصاریٰ حج نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس حدیث میں حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حج سے بے پروائی درحقیقت کفر کی روش ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے، میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگادوں۔''

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ: اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَ اِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے وفد ہیں (جو اس کی بارگاہ میں جا رہے ہیں) اگر وہ اس سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت طلب کریں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔''

تشریح: اس حدیث سے حج اور عمرہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ حج اور عمرہ درحقیقت خدا کی جناب میں بندے کی حاضری ہے۔ ایسی صورت میں خدا کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ وہ ان لوگوں کی درخواستوں کو رد فرمادے جو اس کے در تک پاک آرزوئیں اور امیدیں لیے پہنچے ہوں۔ اس لیے یقیناً خدا ان کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور اگر وہ مغفرت کے طالب ہوں گے تو ان کی مغفرت فرمائے گا۔ حج کی طرح عمرہ بھی ایک عبادت ہے جو کعبہ کی زیارت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ عمرہ کسی وقت بھی کر سکتے ہیں، حج کا وقت مقرر ہے۔ عمرہ اکیلے ادا کرتے ہیں۔ حج اجتماعی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ عمرہ میں حج ہی کے کچھ مراسم ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حج کو اللہ نے ان لوگوں پر فرض قرار دیا ہے جو حج کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن عمرہ فرض نہیں ہے۔ نسائی و بیہقی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: وَفْدُ اللّٰهِ ثَلٰثَةٌ اَلْغَازِیُ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ ''تین شخص خدا کے مہمان ہیں: جہاد کرنے والا، حج کرنے والا۔ اور عمرہ کرنے والا۔''

مناسکِ حج

﴿۱﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ وَالسَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَ رَمْیُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِکْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

(ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خانۂ کعبہ کا طواف کرنا،

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، جمرات پر کنکریاں مارنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے قیام کے لیے ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ طواف۔ سعی اور کنکریاں مارنا وغیرہ حج کے اعمال ومناسک بذات خود مطلوب نہیں ہیں بلکہ یہ سب ایک مہتم بالشان مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ وہ مقصد ہے خدا کے ذکر کا قیام، خدا کی توحید اور اس کی عظمت کا اظہار واعلان یہ بات ٹھیک اسی طرح کی ہے جیسے قربانی کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (الحج:۳۷) "نہ ان قربانی کے جانوروں) کے گوشت خدا کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن تمھارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے۔" اس لیے اصل مقصد، ہمیشہ اور ہر عمل میں پیش نظر رہنا چاہیے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ فِیْ حِجَّةِ الْوَدَاعِ: اَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا؟ قَالُوْا: یَوْمُ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ۔ قَالَ: فَاِنَّ دِمَآئَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ بَیْنَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ اِلَّا عَلٰی نَفْسِهٖ اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدًا عَلٰی وَالِدِهٖ اَلَا وَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا اَبَدًا وَ لٰکِنْ سَتَکُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِیْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَسَیَرْضٰی بِهٖ۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن الاحوصؓ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ بڑا حج کا دن ہے۔ فرمایا: "تمھارے خون، تمھارے اموال، تمھاری آبرو، تمھارے درمیان اسی طرح حرام ہے جس طرح تمھارے اس دن اور تمھارے اس شہر میں حرام ہے۔ خبردار! کوئی ظالم ظلم کرتا ہے تو اپنے آپ پر ہی کرتا ہے۔ خبردار! کوئی باپ اپنی اولاد پر اور کوئی بیٹا اپنے باپ پر ظلم نہیں کرتا۔ خبردار! شیطان ہمیشہ کے لیے اس بات سے مایوس ہوگیا کہ تمھارے اس شہر میں اس کی عبادت کی جائے۔ لیکن تم اپنے ان اعمال میں اس کی اطاعت کروگے جنھیں تم معمولی سمجھوگے پس وہ انھی پر خوش اور راضی ہوگا۔"

تشریح: اپنے آخری حج کے موقع پر جب آپ سب سے رخصت ہوئے اور اپنا اہم تاریخی

خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپؐ نے فرمایا کہ جس طرح تم آج کے دن اور اس شہر مکہ میں لوگوں کی جان، مال اور ان کی عزت و آبرو کی حرمت کا خیال رکھتے ہو اور کسی کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچاتے ٹھیک اسی طرح تم پر لازم ہے کہ تم اپنے درمیان میں بھی ان کا احترام کرو اور کسی کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچنے دو۔ آج کا دن تو اسی لیے آیا ہے اور یہ مقدس سرزمین تو اسی لیے ہے کہ تم پاک باز، راست رو اور خدا کے اطاعت گزار بندے بن سکو اور ہر ایک کے حقوق کو پہچانو اور تم سے ایک ایسی مثالی اجتماعیت وجود میں آئے جس میں کسی کو کسی سے ضرر اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ ہر ایک دوسرے کے حقوق کا پورا پورا احترام کرتا ہو۔

آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی پر ظلم کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنا برا کرتا ہے اور اپنی آخرت خراب کرتا ہے خواہ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔

فرمایا کہ شیطان ہمیشہ کے لیے مایوس ہو گیا یعنی اب تو ایسا نہ ہوگا کہ یہاں بت پرستی ہو اور شرک و کفر پھیلے، البتہ یہ خرابی تم میں پیدا ہو سکتی ہے کہ تم بہت سے گناہ کے کاموں کو معمولی اور ہلکا تصور کرنے لگو اور ان سے بچنے کی کوشش نہ کرو۔ شیطان کے لیے یہ چیز بھی خوشی اور تسکین کا باعث بنے گی۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کسی بھی گناہ کو چھوٹا اور ہلکا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یَا عَائِشَةُ! اِیَّاکَ وَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا (ابن ماجہ، دارمی، البیہقی فی شعب الایمان) ”اے عائشہ! اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچاؤ جنھیں حقیر و معمولی سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان گناہوں کے سلسلہ میں خدا کی جانب سے ایک مطالبہ کرنے والا (فرشتہ) بھی ہے۔“ حضرت انسؓ کہتے ہیں: اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالاً هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِّنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِى الْمُهْلِكَاتِ (بخاری) ”تم ایسے عمل کرتے ہو جو تمھاری نظر میں بال سے باریک ہیں (یعنی معمولی) ہم انھیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مہلکات (ہلاک کر دینے والے اعمال) میں شمار کرتے تھے۔“

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔

(ابوداؤد، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص حج کا ارادہ کر لے تو پھر جلد اسے پورا کرے۔“

تشریح: نیک کام میں بلاوجہ تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ مہلت عمر معلوم نہیں کب ختم ہو جائے گی۔ اگر زندگی باقی بھی رہی تو کیا خبر آئندہ کے حالات سفر حج کی اجازت بھی دیتے ہیں یا نہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ: لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ، لاَ يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلاَءِ الْكَلِمَاتِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلبیہ کہتے ہوئے سنا جبکہ آپؐ کے سر کے بال جمے ہوئے اور مرتب تھے۔ آپؐ فرماتے تھے: حاضر ہوں اے اللہ! میں تیرے حضور حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں تیرے حضور حاضر ہوں۔ یقیناً حمد تیرے ہی لیے ہے۔ سارے احسانات تیرے ہی ہیں۔ بادشاہی سراسر تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ آپ ان کلمات سے زیادہ نہ کہتے۔''

تشریح: آپؐ تلبیہ کہہ رہے تھے اور آپؐ کے بال جمے ہوئے مرتب تھے بالکل اسی طرح جیسے غسل کے بعد سر کے بال بالکل مرتب اور جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ پریشان و پراگندہ نہیں ہوتے۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو اپنی جناب میں حاضری کا بلاوا دیا تھا (الحج: ۲۷) تلبیہ کے کلمات درحقیقت خدا کی اس طلبی کا جواب ہیں۔ گویا بندہ خدا کی طلبی کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے کہ خداوندا! میں جان و دل سے تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ مجھے آپ جہاں طلب فرمائیں میں بسر و چشم تیرے حضور حاضر ہوں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يَّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ وَ اِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ: مَا اَرَادَ هٰؤُلاَءِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ عرفہ کے دن سے زیادہ (اپنے) بندوں کو آتشِ دوزخ سے رہائی بخشتا ہو، (اس دن) وہ بہت ہی قریب ہو جاتا ہے۔ اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے: یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''

تشریح: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو عرفات کے میدان میں جب لاکھوں کی تعداد میں خدا کے

بندے اپنے خدا کی طلبی پر جمع ہوتے ہیں اور اس کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے اور اس کی عنایات اور بخشش کے طالب ہوتے ہیں تو خدا کی رحمت ان سے بے انتہاء قریب ہوتی ہے۔ میدانِ عرفات کا یہ عظیم اجتماع اتنی برکات اور خصوصیات کا حامل ہوتا ہے کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ کتنے ہی خدا کے بندے اس مبارک اجتماع کی برکتوں سے فیض یاب ہوتے اور خدا کے یہاں مغفرت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کی زندگیوں کو یہ اجتماع توحید خالص کے رنگ میں رنگ دیتا ہے اور خدا ان کے بارے میں آتش دوزخ سے رہائی کا فیصلہ اسی طرح فرما دیتا ہے جس طرح میدانِ حشر میں وہ بہت سے لوگوں کے بارے میں مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ حج کے اس عظیم اجتماع کا معاد سے قریبی تعلق ہے۔ یہ اجتماع میدانِ حشر میں ہمارے کھڑے ہونے کی تصویر پیش کرتا ہے۔

یہ عظیم اجتماع جو رجوع الی اللہ اور خدا کے حضور بندوں کی حاضری کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے اللہ کو بے حد محبوب ہے۔ خدا اپنی پسندیدگی کا اظہار فرشتوں کے درمیان ان الفاظ میں کرتا ہے کہ یہ میرے بندے کس مقصد سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میری رحمت و مغفرت کی طلب اور میرے حکم کی تعمیل کا جذبہ ہی ہے جو انھیں یہاں کھینچ کر لا یا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ الصَّلٰوۃِ اِلَّا اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ فِیْہِ فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْہِ فَلَا یَتَکَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ۔

(ترمذی، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنا مثل نماز کے ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ تم طواف میں بات چیت کرتے ہو۔ پس جو کوئی طواف کی حالت میں بات چیت کرے تو وہ اچھی اور بھلائی ہی کی بات کرے۔“

تشریح: طوافِ کعبہ اپنی روح اور مقصد کے لحاظ سے مثل نماز کے ہے یعنی طواف میں تمھیں اس کی اجازت ہے کہ تم آپس میں بات چیت کرو لیکن نماز میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ نماز اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا کی یاد اور بندے کی اپنے رب کے لیے شیفتگی اور گرویدگی اور اظہار عجز و نیاز کے سوا اور کیا ہے۔ طواف کی بھی یہی حقیقت ہے۔ طواف خدا کے ذکر کے لیے ہے۔ طواف میں بھی بندہ گرویدگی اور جاں نثاری کے اس جذبہ کا اظہار کرتا ہے جو اس کے

دل میں اپنے رب کے لیے پایا جاتا ہے۔ اس لیے طواف میں لغو اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول بھی موجود ہے: ''اَقِلُّوا مِنَ الْکَلَامِ فِی الطَّوَافِ فَاِنَّمَآ اَنْتُمْ فِی الصَّلٰوۃِ۔'' طواف کی حالت میں بہت ہی کم بات چیت کرو۔ اس لیے کہ طواف کرتے ہوئے درحقیقت تم نماز میں ہوتے ہو۔''

حج اور عمرہ

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: جِهَادُ الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ وَالضَّعِیْفِ وَالْمَرْاَۃِ اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَۃُ۔ (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچے، بوڑھے، ناتواں اور عورت کے لیے حج اور عمرہ ہی جہاد ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ معذور ہونے کی وجہ سے جہاد نہیں کرسکتے انھیں جہاد کا اجر و ثواب حج اور عمرہ سے ہی حاصل ہوجائے گا۔ خدا کے فضل سے یہ کچھ بعید نہیں کہ انھیں نفس کی وہ پاکیزگی اور بلندی جو جہاد کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے حج اور عمرہ ہی سے حاصل ہوجائے۔ حج اور عمرہ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے جہاد کا پیش خیمہ اور مقدمہ ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص اپنی معذوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوسکا تو وہ حج و عمرہ ہی سے جہاد کے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا جس طرح وہ شخص خدا کے یہاں جہاد کے اجر کا مستحق ہوتا ہے جو اپنے گھر سے جہاد کے ارادے سے نکل پڑا تھا لیکن موت نے اسے میدانِ جہاد میں دشمنانِ حق سے نبرد آزما ہونے کا موقع نہ دیا۔

﴿۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا ثُمَّ مَاتَ فِیْ طَرِیْقِهٖ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِیْ وَالْحَآجِّ وَالْمُعْتَمِرِ۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادہ سے نکلا، پھر راستے ہی میں اسے موت آگئی تو اللہ اس کے لیے جہاد، حج اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔''

تشریح: صدق دل سے جب انسان خدا کی راہ میں نکل پڑا تو وہ اجر کا مستحق ہوگیا۔ خواہ گھر سے نکلتے ہی موت اس سے اس کی مہلتِ چھین لے اور اسے عمل کا موقع نہ دے۔ بجائے عمل کے اس کا اخلاص ہی اس کے لیے کافی ہوگیا۔ خدا تو لوگوں کے ارادوں اور ان کے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اس کے یہاں تو قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے۔ (ترمذی) قرآن میں بھی ارشاد ہوا ہے: وَ مَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝ (النساء:۱۰۰) ’’اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کی طرف ہجرت کرکے نکلے، پھر اس کی موت آجائے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہوگیا اور اللہ بڑا مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔‘‘

〈۳〉 وَ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: تَابِعُوۡا بَیۡنَ الۡحَجِّ وَالۡعُمۡرَۃِ فَاِنَّھُمَا یَنۡفِیَانِ الذُّنُوۡبَ کَمَا یَنۡفِی الۡکِیۡرُ خُبۡثَ الۡحَدِیۡدِ۔ (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یکے بعد دیگرے حج اور عمرہ کرو کیونکہ یہ دونوں گناہوں کو اس طرح ختم کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو ختم کردیتی ہے۔‘‘

تشریح: یعنی جس طرح بھٹی کی گرمی سے لوہے کا زنگ اور اس کا میل کچیل زائل ہوجاتا ہے اسی طرح حج اور عمرہ آدمی کے گناہوں کو مٹاتے اور ان کے برے اثرات کو آدمی کے ذہن وقلب سے دور کرتے ہیں اور اس کا رشتہ اس خدا سے قائم کرتے ہیں جو تمام بھلائیوں اور پاکیزگیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ اور گناہ کے انسان کے دل و دماغ پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، نفسِ انسانی کے لیے ان کی حیثیت زنگ اور میل کچیل کی ہے جسے دور کیے بغیر انسان کی شخصیت اور اس کی زندگی میں نکھار نہیں آسکتا۔

〈۴〉 وَ عَنۡ عَمۡرِو بۡنِ الۡعَاصِؓ قَالَ: لَمَّا جَعَلَ اللّٰہُ الۡاِسۡلَامَ فِیۡ قَلۡبِیۡ اَتَیۡتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلۡتُ: اُبۡسُطۡ یَمِیۡنَکَ فَلَاُ بَایِعۡکَ فَبَسَطَ یَمِیۡنَہٗ فَقَبَضۡتُ یَدِیۡ، فَقَالَ: مَالَکَ یَا عَمۡرُو؟ قُلۡتُ: اَرَدۡتُ اَنۡ اَشۡتَرِطَ، قَالَ: تَشۡتَرِطُ مَاذَا؟ قُلۡتُ: اَنۡ یُّغۡفَرَلِیۡ قَالَ: اَمَا عَلِمۡتَ یَا عَمۡرُو اَنَّ الۡاِسۡلَامَ یَھۡدِمُ مَا کَانَ قَبۡلَہٗ، وَ اَنَّ الۡھِجۡرَۃَ تَھۡدِمُ مَا کَانَ قَبۡلَھَا وَ اَنَّ الۡحَجَّ یَھۡدِمُ مَا کَانَ قَبۡلَہٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے میرے دل میں اسلام لانے کا خیال ڈالا تو میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپؐ سے بیعت کروں۔ پس آپؐ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپؐ نے فرمایا: عمرو! تمھیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میں ایک شرط کرنا چاہتا ہوں، فرمایا: تم کیا شرط کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ کہ میرے گناہوں کو بخش دیا جائے۔ فرمایا: ''اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پچھلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پچھلے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے۔ حج بھی پچھلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔''

تشریح: حضرت عمرو بن العاص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔ آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آؤں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مجھ سے جو خطائیں اور گناہ کے کام اسلام سے پہلے ہو چکے ہیں، ان کو معاف کر دیا جائے۔

آپؐ نے فرمایا کہ جب آدمی کفر یا شرک کو ترک کر کے صدق دل سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے پچھلے گناہ اپنے آپ معاف ہو جاتے ہیں۔ وہ تاریکی سے اجالے میں آجاتا ہے۔ اسے ایک نئی اور پاکیزہ زندگی حاصل ہوتی ہے۔ شرک و کفر یا اس سے پیدا ہونے والی دوسری آلائشیں سب اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال:۳۸) ''ان سے کہہ دو جنھوں نے کفر کیا ہے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

یہ حدیث بتاتی ہے کہ گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی جو خاصیت اسلام قبول کرنے میں ہے وہ خاصیت اور تاثیر ہجرت اور حج میں بھی موجود ہے۔ ہجرت اور حج جیسے اعمال ایک پہلو سے تجدید ایمان کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے لازماً ان میں وہی خاصیت ہونی چاہیے جو اسلام لانے میں ہے۔ آدمی ہجرت اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ وہ گھر بار اور مال و دولت پر اپنے ایمان اور اسلام کو ترجیح دے۔ اسی طرح اپنے عزیزوں، دوستوں اور اپنے کاروبار وغیرہ کو چھوڑ کر حج کے لیے روانہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی نے اپنی خواہشات کے مقابلہ میں خدا کے حکم کو محترم سمجھا۔ اس طرح ہجرت یا حج کرنے والے شخص کے ایمان و یقین میں اگر ضعف اور

کمزوری بھی آ گئی تھی تو ہجرت اور حج جیسا عمل تجدیدِ ایمان کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا بندہ از سرِ نو اپنے رب سے عہدِ بندگی استوار کر رہا ہے۔ اور اس طرزِ زندگی کو اختیار کرنے کا عزم کر رہا ہے جو خدا نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس سے پہلے اس نے اگر خطائیں یا گناہ کے کام کیے بھی ہیں تو درحقیقت اب اس نے خدا کی طرف رجوع کر لیا۔ آدمی کے اندر اخلاصِ عمل پیدا ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خدا کی طرف رجوع نہ ہو۔ اس لیے اس کا رجوع گناہوں کی معافی کے لیے کافی ہے: اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لاَّ ذَنْبَ لَهٗ ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا'' اگر کسی کی ہجرت یا حج محض لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے یا اس کے پیچھے کوئی مادی غرض کام کر رہی ہو تو ایسی ہجرت یا ایسے حج کا اس حدیث میں ذکر نہیں فرمایا گیا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَرَادٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حُجُّوْا فَاِنَّ الْحَجَّ یَغْسِلُ الذُّنُوْبَ کَمَا یَغْسِلُ الْمَاءُ الدَّرَنَ۔ (طبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: عبداللہ بن جرادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حج کرو کیونکہ حج گناہوں کو اس طرح دھو دیتا ہے جیسے پانی میل کو دھو دیتا ہے۔''

تشریح: یہی خاصیت اس ایک حدیث میں نماز کی بیان فرمائی گئی ہے جس میں نماز کو غسل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَتٰی هٰذَا الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَمَا وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اس گھر (خانۂ کعبہ) زیارت کی اور نہ تو کسی شہوانی بات کا ارتکاب کیا اور نہ کسی فسق و فجور میں مبتلا ہوا تو وہ اس طرح پلٹا جس طرح اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔''

تشریح: یعنی وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے۔ اس حدیث میں جن باتوں سے حج کے دوران میں بچنے کا ذکر کیا گیا ہے ان کا ذکر قرآن میں بھی ملتا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ج فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ لا وَلاَ جِدَالَ فِی الْحَجِّ ط (البقرہ:۱۹۷) ''حج کے کچھ جانے پہچانے مہینے ہیں تو جس کسی نے ان میں حج کا ارادہ کر لیا تو (اسے

یہ خیال رہے کہ) حج میں نہ تو شہوت کی کوئی بات جائز ہے نہ فسق و فجور اور نہ لڑائی جھگڑا۔''

یوں تو ہر نیک عمل کی یہ خاصیت ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس سے گناہوں کے برے اثرات دلوں سے دور ہوتے ہیں۔ انسان کا اخلاق درست ہوتا ہے اور اسے پاکیزگی اور طہارتِ نفس کی دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حج میں یہ خاصیت خاص طور سے پائی جاتی ہے۔ حج ایک بڑی عبادت ہے۔ اسے اگر اس کے پورے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو یقیناً یہ عبادت آدمی کی زندگی کو بدلنے اور اسے نیکی تقویٰ اور خدا پرستی کے سانچے میں ڈھال دینے کے لیے کافی ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْعُمْرَةُ اِلَی الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَیْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کے لیے کفارہ ہے جو ان کے درمیان میں سرزد ہوئے ہوں اور حجِ مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہے۔''

تشریح: حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جس میں حج کے جملہ آداب کا لحاظ رکھا گیا ہو، جو پاک اور مخلصانہ ہو۔ اس حدیث میں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے جس کا اظہار پچھلی حدیث میں کیا گیا ہے۔ عمرہ پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔ اس نیک عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ عمرہ گناہوں کے برے اثرات کو نفسِ انسانی سے دور کرتا اور انسان کو پاکیزگی بخشتا ہے۔ عمرہ صرف یہی نہیں کہ اللہ کے گھر کی آبادی اور رونق کا سبب بنتا ہے بلکہ اس سے دلوں کی آبادی اور زینت بھی وابستہ ہے۔ حج اتنی بڑی عبادت اور انسان کے اخلاق و ایمان کا اتنا زبردست مظاہرہ ہے کہ اس فریضہ کو انجام دینے والا خدا کے یہاں جنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ بشرطیکہ حج کے بعد وہ اپنی زندگی میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو خدا پرستی کے منافی ہو۔

حج کے فطری احکام

﴿۱﴾ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِیْكٍؓ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ یَاْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! سَعَیْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ وَ اَخَّرْتُ شَیْئًا

اَوْ قَدَّمْتُ شَیْئًا فَکَانَ یَقُوْلُ: لاَ حَرَجَ اِلَّا رَجُلٌ اِقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَّ هُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِکَ الَّذِیْ حَرِجَ وَ هَلَکَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلا تو لوگ آپ کے پاس آتے تھے (اور آپ سے حج کے مسائل دریافت کرتے تھے) تو کوئی کہتا تھا کہ یا رسول اللہ! طواف کرنے سے پہلے میں نے (صفا و مروہ کے درمیان) سعی کرلی یا کسی کام کو بعد میں کرلیا (جسے پہلے کرنا چاہیے تھا) یا پہلے کرلیا (جسے بعد میں کرنا چاہیے تھا)۔ آپؐ (ہر شخص کو) یہی جواب دیتے تھے کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ حرج تو اس میں ہے کہ کوئی ظلماً کسی مسلمان شخص کی عزت و آبرو کو مجروح کرے۔ پس ایسا شخص حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حج کے مراسم اور اعمال میں کچھ تقدیم و تاخیر ہوگئی۔ کوئی عمل پہلے کرنے کا تھا اسے غلطی سے بعد میں کرلیا یا کوئی کام بعد میں کرنا چاہیے تھا اسے پہلے کرلیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس سے آدمی کے دین و ایمان میں کوئی خلل واقع ہوتا ہو یا اس سے ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا ہو۔ حرج اور نقصان کی بات تو یہ ہے کہ آدمی اس کردار کو کھودے جو ایک مومن کا اصل سرمایہ ہے۔ حج کے مراسم کی ادائیگی میں کوئی تقدیم و تاخیر ہوگئی تو یہ کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں ہے، ہاں اگر کوئی شخص مومنانہ کردار و اخلاق کو بھول جاتا ہے تو البتہ یہ تشویش کی بات ہے۔ خاص طور سے اگر حج کے دوران میں وہ کسی کے ساتھ زیادتی کرتا اور اس کی آبرو ریزی کرتا ہے تو یہ ستم بالائے ستم ہے، یہ چیز تو اس کی ایمانی زندگی کی تباہی کی کھلی علامت ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لاَ یَسْتَطِیْعُ الْحَجَّ وَلاَ الْعُمْرَةَ وَلاَ الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِیْکَ وَاعْتَمِرْ۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابورزین عقیلیؓ کہتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ بہت بوڑھا ہے، وہ حج اور عمرہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ سواری پر سفر کرنے کی اس میں قوت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کرلو۔''

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ

اُخْتِیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ مَاشِیَةً فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَصْنَعُ بِشِقَاءِ اُخْتِکَ شَیْئًا فَتَحُجَّ رَاکِبَةً وَ لِتُکَفِّرْ یَمِیْنَهَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری بہن نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کو تیری بہن کی مشقت کی کوئی حاجت نہیں یا وہ مشقت پر ثواب دینے سے رہا۔ وہ سواری پر جا کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔''

تشریح: یعنی اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کو بلا وجہ مشقت میں ڈالے۔ اجر و ثواب کا موجب اخلاص و طاعت ہے نہ کہ وہ تکلیف و مشقت جو بے ضرورت ہو جس کو کسی نے بلا کسی حقیقی ضرورت کے اپنے اوپر لازم رکھا ہو۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰی رَجُلاً یُّهَادٰی بَیْنَ ابْنَیْهِ فَسَاَلَ عَنْهُ فَقَالُوْا نَذَرَ اَنْ یَّمْشِیَ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنْ تَعْذِیْبِ هٰذَا نَفْسَهٗ وَاَمَرَهٗ اَنْ یَّرْکَبَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے بیچ (ان کا سہارا لے کر) چل رہا ہے۔ آپؐ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے پیدل جانے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنی جان کو عذاب میں مبتلا کرے۔'' آپؐ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔

تشریح: اس حدیث میں بھی وہی بات فرمائی گئی ہے جو اس سے پہلے کی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ بلا ضرورت اپنے کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا کوئی دینداری کی بات نہیں ہے۔ حقیقی دینداری تو تقویٰ اور خدا کی بے ریا طاعت و بندگی ہے۔ خدا بندوں سے اسی کا مطالبہ کرتا ہے نہ یہ کہ بندے خدا کو راضی اور خوش کرنے کے لیے بلا کسی مجبوری اور حقیقی ضرورت کے اپنے آپ کو تکلیف و مشقت ڈالنے لگ جائیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَّمْ یَجِدْ نَعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسْ خُفَّیْنِ وَ مَنْ لَّمْ یَجِدْ اِزَارًا فَلْیَلْبَسْ سَرَاوِیْلَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کو جوتے میسر نہ ہوں وہ موزے پہن لے اور جسے تہبند میسر نہ ہو پاجامہ پہن لے۔“

تشریح: حاجیوں کے بارے میں حکم ہے کہ وہ حج کے لیے احرام باندھیں تو موزہ اور پاجامہ نہ پہنیں بلکہ جوتے اور تہبند استعمال کریں۔ لیکن اگر کسی کے پاس جوتے اور تہبند نہیں ہیں تو وہ موزے اور پاجامہ استعمال کرسکتا ہے۔ دین میں انسان کی مجبوریوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اگر کوئی موزہ استعمال کرتا ہے تو وہ موزے کو اوپر سے اتنا کاٹ دے کہ پشت پا کھلا رہے۔

❦

دعا

دعا بندے کی پکار اور خدا کی جناب میں اس کی درخواست ہے۔ ایک مسلم و مومن شخص خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو نہیں پکارتا۔ اس کی زبان پر خدا ہی کا ذکر ہوتا ہے۔ خدائے واحد کی عظمت و کبریائی کے اظہار کے لیے اس کی زبان وقف ہوتی ہے۔ اس کے اس عمل میں ساری کائنات اس کی ہم نوا ہوتی ہے۔ مومن صرف اپنے رب سے سوال کرتا ہے۔ اسی کو وہ حاجت روائی کے لیے پکارتا ہے۔ اسی کے حضور وہ اپنی فریاد پیش کرتا ہے۔ اس سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔ اسی کو اپنا پناہ دہندہ اور کارساز سمجھتا ہے۔ یہی اس کا دین اور ایمان ہے۔ جس دین کا وہ پیرو ہے حقیقت میں وہی ساری کائنات کا دین ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(الحدید:۱)

”ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کی تسبیح کرتی ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔“

ایک دوسری جگہ فرمایا:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (الرحمٰن:۲۹)

”آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیے ہوئے ہیں۔“

ایک مومن اور مسلم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک خدا کو پکارے اور صرف اسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھے (الاعراف:۵۵، السجدہ:۱۶) ایک خدا کو پکارنا، خدا کی بندگی

اور عبادت میں داخل ہے۔ جب بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتا اور بے کسی اور بے چارگی کی حالت میں اسے آواز دیتا ہے تو اس طرح درحقیقت وہ خدا کی آقائی و بالا دستی کا اعتراف اور اپنی بندگی و عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔ وہ خدا کے حضور اپنا عجز و تذلل پیش کر کے اس کی عنایت کا طالب ہوتا ہے۔ یہ اظہارِ عبودیت اور اظہار عجز و تذلل بجائے خود عبادت بلکہ روحِ عبادت ہے۔[1] اسی لحاظ سے نبی ﷺ نے دعا کو "مُخُّ الْعِبَادَةِ" (عبادت کا مغز) قرار دیا ہے۔ اور اسی لیے خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پکارنے کو قرآن شرک اور ضلالت قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں دعا اور پکار سے اللہ کی عبادت مراد ہے۔ مثلاً:

وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ (الاعراف:۲۹)

"ہر عبادت میں اپنا رُخ ٹھیک رکھو اور دین کو خالص اسی کے لیے رکھ کر اسے پکارو۔"

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط (المومن:۶۵)

"وہ زندۂ جاوید ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ پس دین کو اسی کے لیے خالص کر کے اسے پکارو۔"

وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ (الجن:۱۸)

"سجدے اللہ ہی کے لیے ہیں۔ پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔"

آدمی کے لیے یہ سب سے بڑی نعمت ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف کامل یکسوئی اور پوری توجہ کے ساتھ مائل ہو۔ دعا میں طلب، ثناء، محبت، انابت اور توجہ الی اللہ وغیرہ وہ سبھی چیزیں شامل ہوتی ہیں جو اہلِ ایمان کا سرمایۂ حیات ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

(۱) چنانچہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: لَفْظُ الْعُبُوْدِيَّةِ يتضمنُ كَمَالُ الذِّلِ وَ كَمَالُ الْحُبِّ۔ "عبودیت انتہائی عاجزی اور انتہائی محبت کا نام ہے۔" (رسالۃ العبودیت۔ صفحہ ۲۸) ابن قیم لکھتے ہیں: اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَيْنِ: غَايَةُ الْحُبِّ بِغَايَةِ الذِّلِّ وَالْخُضُوْعِ، فَمَنْ اَحْبَبْتَهُ وَلَمْ تَكُنْ خَاضِعًا لَهُ، لَمْ تَكُنْ عَابِدًا لَهُ، وَ مَنْ خَضَعْتَ لَهُ بِلَا مَحَبَّةٍ لَمْ تَكُنْ عَابِدًا لَهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مُحِبًّا خَاضِعًا۔ "عبادت کی دو خاص اصل ہیں: انتہائی محبت، انتہائی عجز اور پستی کے ساتھ۔ اگر تم کسی سے محبت کرو مگر اس سے تمہارا عاجزانہ تعلق نہ ہو، تو تم اس کے عابد نہیں ہو۔ اسی طرح عاجزی ہو اور محبت نہ ہو تو اس وقت بھی تم عابد نہیں کہے جاؤ گے جب تک تم عاجزانہ محبت کرنے والے نہ بن جاؤ۔"

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَۚ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (الاعراف:۵۵،۵۶)

''اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے پوشیدہ پکارو۔ بلاشبہ وہ حد سے تجاوز کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں اصلاح کے بعد فساد مت برپا کرو اور اسے خوف و طمع (دونوں طرح کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت نیکو کار لوگوں سے قریب ہے۔''

اس خصوصیت کو دوسری جگہ یوں واضح فرمایا گیا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ۝ (الانبیاء:۹۰)

''بے شک وہ (انبیاء کرام) نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور ہمیں رغبت و خوف (کی ملی جلی کیفیت) کے ساتھ پکارتے تھے اور وہ ہمارے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے تھے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ز وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ (السجدہ:۱۶)

''ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہوئے، اور امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

دعا کا ہماری زندگی سے گہرا ربط و تعلق ہے۔ وہ شخص جو خدا کی ہدایت کے مطابق نظامِ زندگی کو استوار کرنا چاہتا ہے۔ اسے ہر وقت اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ خدا کی توفیق اور مدد اس کے شاملِ حال ہو۔ اس کے بغیر وہ ایک قدم بھی راہِ حق پر نہیں چل سکتا اور نہ اس کے بغیر وہ ان شیاطینِ انس و جن سے مقابلہ کر سکتا ہے جو اس کو حق سے برگشتہ و منحرف کرنے کے لیے ہمہ وقت اپنا زور صرف کرتے رہتے ہیں۔

مومن کا سب سے قیمتی سرمایہ اور قوت وہ جذبۂ طاعت و عبودیت ہے جس کے سہارے وہ راہِ حق پر ثابت قدم رہتا ہے اور ہر باطل طاقت کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک طرف وہ زندگی میں عبودیت کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اللہ کے مقرر کردہ حدود کا پاس و لحاظ رکھے۔ ہر قسم کی معصیتوں اور خدا کی نافرمانیوں سے اپنی زندگی کو پاک رکھے۔ دوسری طرف سانس کی ہر آمد و شد کے ساتھ خدا کے دامنِ رحمت و مغفرت سے اپنے کو وابستہ رکھے، وہ اپنی احتیاج کا دامن ہمہ وقت خدا کی بارگاہ میں پھیلائے رہتا ہے۔ خلوت ہو یا جلوت، مسجد ہو یا بازار، سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا صحت ہر حالت میں اس کا یہ عمل جاری رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدا سے مدد و اعانت کا طالب ہوتا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں عرض و معروض، سرگوشی اور مناجات کی توفیق کو بہت بڑی نعمت سمجھتا ہے۔

جذبۂ عبودیت انسان کا فطری جذبہ ہے۔ بندگی اور عبودیت کا جذبہ ہی ہے جو ہمارے دل میں اٹھنے والے مختلف جذبات و احساسات کو باغایت و بامعنی بناتا ہے۔ انھیں موزونیت اور یگانگت عطا کرتا ہے۔ تخیل و جذبات کی نیرنگیوں میں یک رنگی کی شان پیدا کرتا ہے۔ جذبۂ عبودیت کے حقیقی مفہوم اور اس کے تقاضوں سے کامل شناسائی صرف خدا کے رسولوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ عبودیت کا شعور وہ سرمایۂ تسکین و راحت ہے جس سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جو بندے کو اس کے رب سے ملاتی ہے۔ جذبۂ عبودیت درحقیقت زندگی کی اعلیٰ ترین امنگوں کا حاصل ہے۔ یہ ایک ایسی مطلوب ہستی کی طلب ہے جو کمال درجہ مہربانیوں کا سرچشمہ اور خود ہماری حیات کا اصل منشاء ہے۔ عجز و نیاز مندی عرفانِ الٰہی کی روح اور عین حالتِ قرب کا نام ہے۔ ارشاد ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (العلق:۱۹) ''سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔''

عجز و نیاز اور سجدہ ہی درحقیقت ایسی عظیم اور محبوب ہستی کی قربت کا اصل مفہوم ہو سکتا ہے۔ محبت اور خشیت سے خدا کی طرف متوجہ رہنا یہی ہماری اندرونی زندگی کی زرّینی کا حاصل ہے۔ محبت و خشیت اور عجز و تذلل کا دعاؤں میں خاص طور سے اظہار ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی زندگی عجز و نیاز مندی کی زندگی تھی۔ آپؐ عبدیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اس کا اندازہ خاص طور سے آپؐ کی ان دعاؤں سے کیا جا سکتا ہے جو آپؐ نے اپنے رب کے حضور میں مانگی ہیں۔ آپؐ

کی دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی روح کس درجہ اپنے رب سے وابستگی رکھتی تھی اور کس درجہ آپؐ پر اپنے رب کی عظمت اور جلال کا احساس چھایا رہتا تھا اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی اور خدا کی قدرتِ کاملہ اور اس کی ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپؐ کو کتنا یقین تھا۔ اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ کی دعائیں علم وعرفان کا شاہکار، خدا شناسی اور خدا سے آپؐ کے سچے اور گہرے تعلق کی روشن دلیل ہیں۔

دعا کی اہمیت

﴿۱﴾ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ: وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، نسائی)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعا عین عبادت ہے۔'' پھر آپؐ نے تلاوت فرمایا: وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ الخ ''تمھارے رب نے کہا: مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کرتے ہیں جلد ہی وہ ذلیل وخوار ہوکر دوزخ میں داخل ہوں گے۔''

تشریح: اس حدیث میں جس آیت کو نقل فرمایا گیا ہے، اس میں دعا کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خدا سے دعا مانگنا عین تقاضائے بندگی ہے۔ دعا سے منھ موڑنے کا معنی اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی تکبر میں مبتلا ہے اور اپنے رب کے سامنے عبودیت کے اعتراف سے کترا رہا ہے۔ بندہ جب اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتا اور اس سے دعائیں مانگتا ہے تو درحقیقت وہ اس طرح اپنے رب کی آقائی و بالادستی کا اعتراف اور اپنی بندگی اور عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔ اس کا یہ اظہارِ عبودیت بجائے خود عبادت ہے۔ وہ اس کے اجر سے کسی صورت میں بھی محروم نہیں رہ سکتا خواہ وہ چیز اس کو ملے یا نہ ملے جس کے لیے اس نے خدا سے دعا مانگی تھی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعا مغزِ عبادت ہے۔''

تشریح: عبادت کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہے کہ بندہ خدا کی بالادستی اور اس کی کبریائی کے

سامنے جھک جائے اور اس کے سامنے اپنی عاجزی اور بندگی کا اقرار کرے۔ دعا میں ایک طرف بندے کی عاجزی، محتاجی اور بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا کی بالاتری اور اس کی آقائی کا اعتراف کرتا ہے۔ اس لیے دعا عین عبادت بلکہ جانِ عبادت ہے۔ اس کے اجر وثواب سے بندہ کسی حال میں بھی محروم نہیں رہے گا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَیْسَ شَیْئٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کے نزدیک کوئی چیز دعا سے زیادہ باوقعت نہیں ہے۔''

تشریح: یعنی دعا کو کوئی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ دعا بندے کو خدا سے قریب کرتی اور اس کا رشتہ خدا سے مضبوط کرتی ہے۔ جو چیز آدمی کو خدا سے قریب کرنے والی ہو اس سے زیادہ باوقعت چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ لَّمْ یَسْأَلِ اللّٰهَ یَغْضِبْ عَلَیْهِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔''

تشریح: یعنی جس طرح اللہ کو بندے کا یہ عمل بہت پسند ہے کہ وہ خدا سے دعائیں مانگے اور اپنی حاجتوں کو اس کے روبرو پیش کرے اسی طرح اللہ کو یہ بات حد درجہ ناپسند ہے کہ کوئی شخص خدا سے مانگنا چھوڑ دے۔ اس کے سامنے اپنی درخواست لیکر نہ جائے۔ یہ بے نیازی نہ کسی بندے کو زیب دیتی ہے نہ خدا ہی اسے پسند کرتا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَیْئًا یَعْنِیْ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یُّسْأَلَ الْعَافِیَةَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ

کھل گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور خدا سے جو چیزیں مانگی جاتی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ اس سے عافیت طلب کی جائے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو دعا کی توفیق حاصل ہوگئی اس کے حصے میں تمام بھلائیاں آسکتی ہیں۔ دعا کے ذریعہ سے فلاح و کامیابی کے تمام دروازے کھل سکتے ہیں۔ ا کے ذریعہ سے بندہ خدا کی رحمتوں اور خاص عنایتوں کا مستحق قرار پاتا ہے۔ دعا اپنی حقیقت کے لحاظ سے انسان کے دل کی تڑپ اور اس کی روح کی طلب کا دوسرا نام ہے۔ جب کسی بندہ کو سچی طلب اور تڑپ میسر آگئی تو اس کے لیے رحمت کے دروازے بند نہیں رہ سکتے۔

عافیت طلب کرنا بہترین دعا ہے عافیت میں دنیوی و اخروی، ظاہری و باطنی ہر طرح کی عافیت اور سلامتی شامل ہے۔ جس بندے نے خدا سے عافیت طلب کی اس نے خدا سے بہت بڑی نعمت کی درخواست کی۔ عافیت طلب کر کے اس نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا کہ خدا کی حفاظت اور اس کے فضل و کرم کے بغیر آدمی کو عافیت اور سلامتی حاصل نہیں ہوسکتی۔ خدا ہی ہے جو آدمی کو مصیبت اور تکلیف سے بچاتا اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اس طرح کی دعاؤں سے خدا کے سامنے بندے کی کامل عاجزی، محتاجی اور عبودیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی دعا خدا کو بہت محبوب ہے۔

(۶) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ، فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْأَلَ وَ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے اس کے فضل کے طالب ہو کیونکہ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے اور بہترین عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔''

تشریح: بندوں کے مانگنے اور سوال کرنے پر خدا کی رحمت کو پیار آتا ہے۔ جو بندہ خدا سے نہیں مانگتا وہ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے۔ خدا کے کرم کی امید رکھتے ہوئے اس کا انتظار کرنا کہ وہ پریشانیوں اور مصیبتوں کو دور کرے گا اور کشادگی اور سہولت بخشے گا، اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کیونکہ اس میں بندہ خشیت اور عاجزی کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ رہتا اور اس سے اس کے کرم کا امیدوار رہتا ہے۔

(۷) وَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا عَلَى الْاَرْضِ

مُسْلِمٌ یَدْعُو اللّٰهَ تَعَالٰی بِدَعْوَةٍ اِلَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهَا اَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا مَالَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَةِ رَحْمٍ۔ (ترمذی)

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا میں کوئی بھی مسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو یا تو خدا اس کو وہی چیز دیتا ہے (جس کی وہ دعا کرتا ہے) یا اس درجہ کی کسی برائی (بلا و مصیبت) کو اس سے دور کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی یا قطعِ رحم کی دعا نہ کرے۔''

تشریح: یعنی بندے کی دعا کسی بھی حال میں ضائع نہیں ہوتی۔ یا تو اس کی مانگی ہوئی چیز ہی اُسے عطا کر دی جاتی ہے یا آنے والی کسی بلا و مصیبت کو اس سے دور کر دیا جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ دعا کسی گناہ کی نہ ہو اور نہ وہ اعزہ میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے ہو۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ سَلْمَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَّسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے۔ اس کو اس سے شرم آتی ہے کہ جب اس کا بندہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے دعا کرے تو وہ انھیں خالی لوٹا دے۔''

تشریح: یعنی بندے کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ خدا غایت درجہ حیا اور کرم کی صفت سے متصف ہے۔ وہ دستِ سوال دراز کرنے والوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتا۔ انجیل میں ہے: ''جبکہ تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمھارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیز کیوں نہ دے گا۔'' (متی ۷:۱۱)

﴿۹﴾ وَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قضا کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی مگر دعا اور عمر کو کوئی چیز بڑھا نہیں سکتی مگر نیکی۔''

تشریح: قضا سے مراد خدا کا فیصلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دعا نہ کرنے کی صورت میں خدا کا جو فیصلہ روبہ عمل ہونے والا ہوتا ہے دعا کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل و کرم سے

بدل دیتا ہے جو قضا نافذ ہونے والی ہوتی ہے، دعا کرنے سے وہ پلٹ جاتی ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ خدا کے فیصلہ کو بدل سکے لیکن خدا خود اپنے فیصلہ کو بدل سکتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اس سے دعا کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار سورۂ نوح میں اس طرح فرمایا گیا ہے: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ يَغْفِرْلَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ ''(نوح نے اپنی قوم سے کہا:) تم لوگ اللہ کی بندگی اور تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو خدا تمھارے گناہوں کو معاف کردے گا اور ایک خاص وقت تک تمھیں مہلت دے گا۔'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفروشرک پر جمے رہنے کی صورت میں خدا کا یہی فیصلہ تھا کہ اس قوم کو ہلاک کردیا جائے لیکن اگر وہ خدا کی بندگی اور تقوے اور رسول کی اطاعت اختیار کرلیتی تو اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ اس فیصلہ سے بدل جاتا کہ اسے عمل کی مزید مہلت عطا کی جاتی ــــ مزید تشریح کے لیے دیکھیے باب 'تقدیر پر ایمان'

نیکی سے آدمی کے کاموں اور اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے ــــ دیکھیے باب ''تقدیر پر ایمان''

﴿۱۰﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَ مِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ۔ (ترمذی واحمد عن معاذ بن جبل)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''دعا ہر حال نافع ہے ان بلاؤں میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں اور ان کے معاملہ میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہیں۔ پس اے خدا کے بندو، دعا کا اہتمام کرو۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ آنے والی بلا اور مصیبت کو آنے سے روک سکتا ہے اور اس مصیبت کو جو آچکی ہو دور کرسکتا ہے اس لیے بندے کو ہر حال میں اسی کو پکارنا چاہیے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لِيَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کو اپنی حاجت اپنے رب سے مانگنی چاہیے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی مانگے اگر وہ ٹوٹ جائے۔''

تشریح: یعنی ایسے معاملات جو بظاہر اپنے اختیار میں محسوس ہوتے ہیں ان میں بھی تدبیر کرنے کے ساتھ ساتھ خدا سے مدد کا طالب ہونا چاہیے اس لیے کہ اس کی توفیق و تائید کے بغیر کسی بھی معاملہ میں ہماری تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اور دعا کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ہر حالت میں اپنی عاجزی اور خدا کی بالادستی کو تسلیم کررہا ہے۔ اپنی عاجزی اور خدا کی بالادستی کا اعتراف بندے کو خدا کی مدد کا مستحق بنادیتا ہے۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَّدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَیْسَ فِیْهَا اِثْمٌ وَّلَا قَطِیْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَ اِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَ اِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ، قَالَ: اَللّٰهُ تَعَالٰی اَکْثَرُ فَضْلٍ۔ (احمد)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: ”ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطعِ رحم کی دعا نہ ہو تو اللہ اسے تین صورتوں میں سے کسی صورت میں قبول کرلیتا ہے۔ یا تو اس کی دعا دنیا ہی میں قبول کرلی جاتی ہے یا اُسے آخرت میں اجر دینے کے لیے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے یا اُسی درجے کی کسی برائی (مصیبت اور بلا) کو اس پر آنے سے روک دیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اب ہم بہت دعا کریں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فضل بھی بہت زیادہ ہے۔“

تشریح: یعنی دعا کرنے والا کسی بھی صورت میں خسارہ میں نہیں رہتا یا تو اس کی خاص مانگی ہوئی چیز اسے عطا کردی جاتی ہے یا اگر کسی مصلحت اور حکمت کے سبب اس کی مانگی ہوئی چیز اسے نہ دی گئی تو اس کی دعا کو اس کے لیے آخرت کا سرمایہ بنادیا جاتا ہے یا اس کی دعا کی وجہ سے اس پر آنے والی کسی مصیبت کو آنے سے روک دیا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مَا مِنْ اَحَدٍ یَّدْعُوْا بِدُعَآءٍ اِلَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ مَا سَاَلَ اَوْ کَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهٗ مَالَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَةِ رَحِمٍ: ”جو شخص بھی دعا مانگتا ہے اللہ یا تو اس کے سوال کو پورا کردیتا ہے یا اس کے مطالبہ کے مثل اس سے کسی برائی کو روک دیتا ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہیں مانگتا۔“

دعا کے کچھ آداب

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا دَعَا اَحَدُکُم فَلاَ یَقُلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِی اِنْ شِئْتَ، اُرْزُقْنِی اِنْ شِئْتَ، وَلْیَعْزِمْ مَسْئَلَتَهُ اِنَّهُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَلاَ مُکْرِهَ لَهُ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو یوں نہ کہے کہ خدایا! مجھے بخش دے اگر تو چاہے، مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہے، مجھے رزق دے اگر تو چاہے بلکہ اسے قطعیت کے ساتھ اپنی مانگ رکھنی چاہیے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا، کوئی اس پر دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے۔“

تشریح: یعنی دعا میں کسی بھی طرح کی بے نیازی اور بے پروائی کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ بندے کو اپنی ضرورت قطعیت کے ساتھ اپنے رب کے حضور پیش کرنی چاہیے تاکہ خدا کے سامنے زیادہ سے زیادہ بندے کی محتاجی اور عاجزی کا اظہار ہو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُدْعُوا اللّٰهَ وَ اَنْتُمْ مُّوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لاَ یَسْتَجِیْبُ دُعَآءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لاَّهٍ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ کہ وہ قبول فرمائے گا اور جان رکھو کہ اللہ غافل اور بے حضور قلب کی دعا قبول نہیں کرتا۔“

تشریح: یعنی دعا مانگتے وقت تمھیں پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تمھیں اس بات کا یقین ہو کہ خدا دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ وہ ہماری دعاؤں کو اکارت نہیں جانے دے گا۔ دعا اگر تذبذب اور بے یقینی کی حالت میں مانگی گئی تو وہ بالکل بے جان ہوگی۔ ایسی بے روح دعا اپنا کیا اثر دکھا سکتی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلاَ یَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی اِنْ شِئْتَ وَ لٰکِنْ لِّیَعْزِمَ وَلْیُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لاَ یَتَعَاظَمُهُ شَیْءٌ اَعْطَاهُ۔

(مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”تم میں سے جب کوئی

دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ دعا پوری قطعیت اور پوری رغبت کے ساتھ مانگے اس لیے کہ اللہ جو چیز عطا فرماتا ہے اس کا عطا کرنا اس کے لیے دشوار اور مشکل نہیں ہوتا۔''

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ مَالَمْ یَسْتَعْجِلْ قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ؟ قَالَ: قَدْ دَعَوْتُ وَ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَ یُسْتَجَابُ لِیْ فَیَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَالِکَ وَ یَدَعُ الدُّعَاءَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ کرے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔'' عرض کیا گیا: جلد بازی کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا: ''جلد بازی یہ ہے کہ کوئی کہے کہ میں نے بہت دعا کی، مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول ہی نہیں ہوتی اور اس کے بعد وہ تھک جائے اور دعا مانگنی چھوڑ دے۔''

تشریح: بندے کو دعا ترک نہیں کرنی چاہیے۔ اسے کیا معلوم کہ خدا کو اس کی دعا کب اور کس صورت میں قبول کرنا منظور ہے۔ کبھی بندے ہی کی بعض مصلحتوں کی بنا پر اس کی دعا جلد قبول نہیں کی جاتی، ایسی صورت میں اسے اپنے خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جلد بازی سے کام لے کر وہ خود اپنا ہی کام خراب کر دے گا۔ مسلسل اپنے آقا کے در کا بھکاری بنا رہنا کیا اس کے لیے کم شرف کی بات ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَّ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ: یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ وَ قَالَ: ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ'' ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَّ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَّ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذَالِکَ۔

(مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! خدا پاک ہے وہ صرف پاک وطیب چیز کو قبول فرماتا ہے اور خدا نے اس معاملہ میں جو حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے

وہی اہلِ ایمان کو بھی دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: اے رسولو! پاک وطیب چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو میں خوب جانتا ہوں۔ اور فرمایا: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو کچھ کہ ہم نے تمھیں دیا ہے۔'' اس کے بعد آپؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا'' جو لمبا سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) اس حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور گرد سے اَٹا ہوا ہے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے: اے رب! اے رب!... اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا سے وہ پلا بڑھا ہے، پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے۔''

تشریح: آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اس بات کی شکایت کر رہا ہے کہ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں اور وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ جو کچھ کھا پی رہا ہے اور جو کچھ پہن رہا ہے، وہ کہاں تک حلال اور طیب ہے۔ ایسی صورت میں اس کی شکایت کو حق بجانب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کتبِ قدیمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی بات سنی جائے تو وہ گناہوں سے باز آئے۔ یسعیاہ میں ایک جگہ کہا گیا ہے: ''تمھاری بدکاری نے تمھارے اور تمھارے خدا کے درمیان جدائی کر دی ہے اور تمھارے گناہوں نے اسے تم سے روپوش کیا ایسا کہ وہ نہیں سنتا۔ (۲:۵۹)

﴿۶﴾ وَ عَنْ مَعَاذٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّبِيْتُ عَلٰى طُهْرٍ ذَاكِرًا لِّلّٰهِ تَعَالٰى فَيَتَعَارُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْاَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى خَيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔ (ابوداوٗد)

ترجمہ: حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلم شخص پاکی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوا سو جائے پھر رات کو جب وہ بیدار ہو اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی بھلائی طلب کرے تو خدا اس کی مطلوبہ شے اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔''

تشریح: رات کا یہ وقت خاص طور سے دعا کے قبول ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اس تنہائی اور سکون کے اوقات میں اگر بندہ خدا کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اس کے سامنے اپنی حاجتیں رکھتا ہے تو خدا کی رحمت یقیناً اس کی طرف متوجہ ہو کر رہے گی اور اس کی دعائیں مقبول ہوں گی۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى

السَّمَاءِ الدُّنیَا حِینَ یَبقٰی ثُلُثُ اللَّیلِ الاٰخِرِ فَیَقُولُ مَن یَّدعُونِی فَاَستَجِیبُ لَهٗ مَن یَّسأَلُنِی فَاُعطِیَهٗ مَن یَّستَغفِرُ لِی فَاَغفِرُ لَهٗ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب ہر رات کو جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہتا ہے تو آسمانِ دنیا پر اتر آتا ہے اور فرماتا ہے: کون شخص ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون شخص ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کو بخش دوں۔''

تشریح: آسمانِ دنیا سے مراد قریبی آسمان ہے جس پر اہلِ دنیا کی نظر پڑتی ہے۔ رب آسمانِ دنیا پر اتر آتا ہے یعنی خاص طور سے اہلِ دنیا کی طرف۔ خاص طور سے اہلِ دنیا کی طرف اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اس وقت جو دعا بھی مانگی جائے اس کے قبول ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَن اَبِی اُمَامَةَؓ قَالَ: قِیلَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ! اَیُّ الدُّعَآءِ اَسمَعُ؟ قَالَ: جَوفُ اللَّیلِ الاٰخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلوَاتِ المَکتُوبَاتِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے یا رسول اللہ! فرمایا: ''جو رات کے آخری حصہ میں کی جائے اور جو فرض نمازوں کے بعد کی جائے۔''

تشریح: رات کے آخری حصے میں بستر کا آرام چھوڑ کر خدا کو یاد کرنا اور اس کی جناب میں دعائیں کرنا اخلاص کے بغیر ممکن نہیں اور اخلاص کے ساتھ مانگی ہوئی دعا قبول ہو کر رہتی ہے۔

نماز اور خاص طور سے فرض نماز خوشنودیِ رب کی موجب ہے اس لیے نماز کے بعد دعا کے مقبول ہونے کا زیادہ امکان پایا جاتا ہے۔ یہ دعا مانگنے کا ایک بہترین وقت بھی ہوتا ہے۔ فرض ادا کرنے کے سبب سے بندے کو خدا کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت اس سے حد درجہ قریب ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر دعا کا قبول ہونا ایک فطری بات ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَن اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یُرَدُّ الدُّعَآءُ بَینَ الاَذَانِ وَالاِقَامَةِ قِیلَ، مَاذَا نَقُولُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ: سَلُوا اللّٰهَ تَعَالٰی العَافِیَةَ فِی الدُّنیَا وَالاٰخِرَةِ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا کی جاتی ہے وہ کبھی رد نہیں کی جاتی۔'' عرض کیا گیا: اس وقت ہم کیا مانگیں یا رسول اللہ؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگو۔''

تشریح: ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش ہونے کے وقت بھی دعا رد نہیں کی جاتی۔ مؤطا کی ایک روایت میں آیا ہے: سَاعَتَانِ تُفْتَحُ فِيهِمَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ قَلَّ دَاعٍ تُرَدُّ عَلَيْهِ دَعْوَتُهٗ حَضْرَةَ النِّدَآءِ لِلصَّلٰوةِ وَالصَّفِّ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''دو وقت ایسے ہیں کہ جن میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بہت کم ایسے دعا مانگنے والے ہوتے ہیں جن کی دعائیں ان اوقات میں رد کی جاتی ہیں، اس اذان کے وقت جو نماز کے لیے دی جائے اور جب فی سبیل اللہ لوگ صف بستہ ہوں۔''

روایتوں میں دعاؤں کی مقبولیت کے جو اوقات بیان کیے گئے ہیں وہ خاص نزولِ رحمت کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں لوگ خاص طور سے خدا کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں اس لیے خدا بھی ان اوقات میں مانگی ہوئی دعاؤں کو رد نہیں کرتا۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ الدُّعَآءُ عِنْدَ النِّدَآءِ وَ عِنْدَ الْبَاْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔ (ابوداؤد، مالک)

ترجمہ: سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو اوقات ایسے ہیں جن میں دعا رد نہیں کی جاتی۔ اذان کے وقت اور جنگ کے وقت جب لوگ ایک دوسرے سے چمٹ جائیں۔''

تشریح: اذان کے وقت اور جنگ چھڑ جانے کے وقت جو دعا کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خَمْسُ دَعْوَاتٍ يُّسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَ دَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَ دَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يَقْعُدَ وَ دَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَاَ وَ دَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَ اَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔ (البیہقی فی دعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پانچ دعائیں ایسی ہیں کہ وہ (لازماً) قبول کر لی جاتی ہیں۔ مظلوم کی دعا جب تک کہ وہ (ظالم سے) بدلہ نہ لے لے۔ حج

کرنے والے کی دعا جب تک کہ وہ گھر واپس نہ آجائے۔ مجاہد کی دعا جب تک کہ جہاد سے فارغ نہ ہوجائے۔ بیمار کی دعا جب تک کہ اچھا نہ ہوجائے (یا وفات نہ پا جائے) بھائی کی اپنے بھائی کے حق میں غائبانہ دعا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ان دعاؤں میں سب سے جلد قبول ہونے والی بھائی کی غائبانہ دعا ہے۔''

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَ هُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَآءَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس (سجدے کی حالت میں) کثرت سے دعا کیا کرو۔''

تشریح: سجدہ کی حالت میں بندہ خدا سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سجدہ عین قربت ہے۔ یہ بندہ کے لیے خدا سے عرض معروض کرنے کا بہترین موقع ہوتا ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِیْ اِجَابَتِهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَ دَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَ دَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِهٖ۔

(ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین دعائیں ایسی ہیں جو قبول ہوکر رہتی ہیں۔ ان کے قبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، وہ دعا جو باپ اپنے بیٹے کے لیے کرے۔''

تشریح: ان دعاؤں میں اخلاص ہوتا ہے۔ یہ دعائیں دل سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں اس لیے یہ سیدھی عرش تک پہنچتی ہیں۔ ماں باپ کے دلوں میں اپنی اولاد کے لیے جو خلوص ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ مسافر اور مظلوم کے دل شکستہ ہوتے ہیں، یہ دل کی شکستگی خدا کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بڑی طاقت رکھتی ہے، مظلوم خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کی سن لی جاتی ہے۔ اس لیے مظلوم کی آہ سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ مظلوم کی دعا اور خدا کے درمیان میں کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ پھر مظلوم جو کچھ چاہتا ہے خدا کی سنت کا تقاضا بھی وہی ہوتا ہے۔ یہ دونوں کی موافقت اپنا نتیجہ دکھا کر رہتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ثَلٰثَةٌ لَّا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَ تُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ يَقُوْلُ الرَّبُّ وَ عِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّکَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ (ترمذی) ''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: روزہ دار کی دعا جبکہ وہ روزہ افطار کرے۔ عادل امام (حاکم) کی دعا اور مظلوم کی دعا۔ اس (مظلوم کی دعا) کو اللہ ابر کے اوپر اٹھاتا ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے کہ قسم ہے میری عزت کی میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی کیوں نہ کروں۔''

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ اشخاص کی دعا خاص طور سے قبول ہوتی ہے: مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے، حج کرنیوالے کی دعا جب تک کہ وہ لوٹ کر واپس نہ آجائے۔ مجاہد کی دعا جب تک وہ شہید ہو کر دنیا سے لاپتہ نہ ہو جائے۔ بیمار کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو جائے۔ اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لیے غائبانہ دعا۔ (البیہقی)

﴿۱۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ دَعْوَةٍ اَسْرَعُ اِجَابَةً مِّنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَآئِبٍ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: ابن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی دعا اس دعا سے زیادہ جلد قبول نہیں ہوتی جو غائب شخص کسی غائب شخص کے لیے کرتا ہے۔''

تشریح: مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَدْعُوْا لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ اِلَّا قَالَ الْمَلَکُ وَلَکَ بِمِثْلٍ ''جب بھی کوئی مسلم بندہ اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو (جیسا تو نے اپنے بھائی کے لیے مانگا)۔'' غائبانہ دعا میں چونکہ اخلاص زیادہ ہوتا ہے اس لیے ایسی دعا میں مقبولیت و برکت کی خاص شان پائی جاتی ہے۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ: اِذَا دَعَا لِاَحَدٍ بَدَأَ بِنَفْسِهٖ۔

(ترمذی)

ترجمہ: ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا فرماتے۔

تشریح: اللہ کو بندے کی عاجزی وعبودیت بے حد محبوب ہے۔ عبودیت اور عاجزی کا کامل اظہار اس بات میں ہے کہ بندہ دوسروں کے لیے دعا مانگنے سے پیشتر خدا کے حضور میں اپنی محتاجی، حاجت مندی اور مسکینی پیش کرے۔

﴿۱۶﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَوْلَادِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی خَدَمِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی اَوْلَادِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی خَدَمِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی اَمْوَالِکُمْ لَا تُوَافِقُ مِنَ اللّٰہِ سَاعَۃً نِیْلَ فِیْھَا عَطَآءً فَلْیَسْتَجِیْبَ لَکُمْ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے حق میں یا اپنی اولاد کے حق میں یا اپنے خادموں کے حق میں یا اپنے مال وجائداد کے حق میں بددعا نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی دعا کے قبول ہونے کی ہو اور تمھاری دعا قبول ہو جائے۔“

تشریح: یعنی ایسا نہ ہو کہ تمھاری بددعا سن لی جائے جس کے نتیجہ میں تم مصیبت میں پڑ جاؤ اور پھر تمھیں ندامت اور پشیمانی ہو۔ اس کے علاوہ یوں بھی بددعا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: مَنْ دَعَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَہٗ فَقَدِ انْتَصَرَ ”جس کسی نے اس پر بددعا کی جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔“

﴿۱۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ وَلَا یَدْعُ بِہٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَہٗ اِنَّہٗ اِذَا مَاتَ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ وَ اِنَّہٗ لَا یَزِیْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُہٗ اِلَّا خَیْرًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ جلد موت آنے کی دعا کرے کیونکہ جب موت آجائے گی تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور مومن شخص کے لیے اس کی عمر بھلائی ہی میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔“

تشریح: بعض لوگ پریشانیوں اور تکلیفوں سے تنگ آکر موت کی دعا اور تمنا کرنے لگتے ہیں، اس سے روکا جا رہا ہے۔ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں صاف لفظوں میں فرمایا: لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِہٖ ”تم میں سے کوئی پیش آجانے والی تکلیف کے سبب موت کی تمنا نہ کرے۔“

موت کی دعا اور تمنا کرنا ایک تو مومنانہ صبر وتحمل کے خلاف ہے۔ دوسرے آدمی جب زندہ ہے وہ توبہ وانابت اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ سے آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ سامان کرتا ہے جبکہ موت کے بعد اس کا موقع نہیں رہتا۔ مومن اگر واقعی مومن ہے تو زندگی کے لمحات اس کے لیے خیر اور بھلائی ہی کا سبب بنیں گے۔

﴿۱۸﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ تَدْعُوْا بِالْمَوْتِ وَلاَ تَتَمَنَّوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لاَ بُدَّ فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِيْ۔ (نسائی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موت کی دعا نہ کرو اور نہ اس کی تمنا کرو۔ اگر کسی شخص کے لیے ایسی دعا ناگزیر ہی ہوگئی ہو تو یوں عرض کرے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور مجھے (دنیا سے) اٹھا لے جب موت میرے حق میں بہتر ہو۔''

﴿۱۹﴾ وَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ: اِسْتَاْذَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ وَ قَالَ: اَشْرِكْنَا يَا اُخَيَّ فِيْ دُعَائِكَ وَلاَ تَنْسَنَا۔ فَقَالَ: كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عمرہ کے لیے نبی ﷺ سے اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''میرے چھوٹے بھائی ہمیں بھی اپنی دعا میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا۔'' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کے عوض ساری دنیا مجھے دیدی جائے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔ (مجھے آپؐ کا یہ ارشاد ساری دنیا سے بڑھ کر عزیز ہے)۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے عمرہ کرنے کے لیے مکہ جانے کی اجازت چاہی۔ تو آپؐ نے فرمایا میرے چھوٹے بھائی مجھے بھی دعا میں یاد رکھنا۔ حضرت عمرؓ کو نبی ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا یہ کلمہ دنیا کی ساری چیزوں سے محبوب لگا۔

﴿۲۰﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَآءِ وَ يَدَعُ مَاسِوَا ذٰلِكَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیتے تھے۔

تشریح: حضور ﷺ کی دعاؤں کی جامعیت کا اندازہ آپ کی ان دعاؤں سے کیا جا سکتا ہے جو کتبِ احادیث میں منقول ہوئی ہیں۔ آپؐ کی کچھ دعائیں ہم آگے نقل کر رہے ہیں۔

〈۲۱〉 وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْجِبُهٗ اَنْ يَّدْعُوَ ثَلٰثًا وَ يَسْتَغْفِرَ ثَلٰثًا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین بار دعا مانگنا اور تین بار استغفار کرنا بہت پسند تھا۔

تشریح: دعاؤں کو کئی بار دہرانے میں خاص فائدہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس طرح بندے کی طرف سے زیادہ سے زیادہ عجز وتذلل کا اظہار ہوتا ہے جو بندگی کی اصل روح ہے۔ اس کے علاوہ دعائیہ کلمات کو ایک سے زیادہ بار دہرانے سے دل لازماً زبان کے ساتھ ہو جاتا ہے اور پھر دعا بے اثر نہیں رہتی۔

〈۲۲〉 وَ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً يَدْعُوْ فِيْ صَلٰوتِهٖ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: عَجَّلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ: اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَاْ بِتَحْمِيْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالثَّنَآءِ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَدْعُ بَعْدُ بِمَا شَآءَ۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: فضالہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نماز کے بعد دعا مانگ رہا ہے لیکن اس نے نبی ﷺ پر درود نہیں بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس شخص نے (دعا مانگنے میں) جلدی کی۔'' پھر آپؐ نے اس شخص کو بلا کر فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھ چکے تو اسے پہلے خدا کی حمد وثنا کرنی چاہیے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے، پھر اس کے بعد جو دعا چاہے مانگے۔''

تشریح: یعنی آپ نے دعا مانگنے کے آداب بتائے کہ آدمی دعا مانگنے سے پہلے خدا کی حمد وثنا کرے اور اس کے رسولؐ پر درود وسلام بھیجے، اس کے بعد اپنی درخواست خدا کے حضور میں پیش

کرے۔ یہ تو بہت ہی نامہذب بات ہوگی کہ منھ کھولتے ہی کوئی جھٹ اپنا مطلب پیش کرنے لگ جائے۔ تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعا مانگی جا رہی ہے پہلے اس کی خوبی اور اس کے احسانات اور اس کی عظمت کا اعتراف کیا جائے، پھر اس موقع پر یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے عظیم محسن نبی اکرم ﷺ کو نہ بھولے۔ آپؐ سے قلبی اور روحانی رشتہ و تعلق کا تقاضا ہے کہ آپؐ پر درود و سلام بھیجا جائے اور آپؐ کے حق میں خدائے بزرگ و برتر سے دعا کی جائے۔

﴿۲۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ فِي الدُّعَآءِ حَتّٰى رَاَيْتُ بَيَاضَ اِبِطَيْهِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھایا کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔

تشریح: سہل بن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سروں کو دونوں مونڈھوں کے برابر کرتے پھر دعا مانگتے تھے۔ (البیہقی)

﴿۲۴﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَآئِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَآءِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کو یہ بات پسند ہو کہ سختیوں کے وقت اللہ اس کی دعا کو قبول فرمائے تو اسے چاہیے کہ آرام و خوشحالی میں کثرت سے دعا مانگے۔“

تشریح: جو لوگ محض پریشانی اور سختی میں خدا سے دعا مانگتے ہیں ان کا خدا سے رابطہ ضعیف و کمزور ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ خوشحالی اور تنگی ہر حال میں خدا سے دعا مانگتے ہیں ان کا رابطہ اپنے رب سے نہایت قوی ہوتا ہے۔ انھیں اپنے رب پر اعتماد اور بھروسہ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی دعائیں دوسروں کی دعاؤں کے مقابلہ میں زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔

﴿۲۵﴾ وَ عَنْ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذْ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَرُدَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تو ان کو اس وقت تک نہ لوٹاتے جب تک اپنے منھ پر نہ پھیر لیتے۔

تشریح: دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب کسی بلا اور مصیبت کے موقع پر دعا فرماتے تاکہ وہ بلا و مصیبت دور ہو تو ہاتھ کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی اور جب عام حالات میں دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے خدا سے دعا مانگتے تو ہاتھ پھیلا کر مانگتے جس طرح کوئی سائل کسی داتا کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ دعا کے بعد ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کے حضور پھیلائے ہوئے یہ ہاتھ خالی نہیں لوٹے ہیں۔ خدا کی رحمت و برکت کا کچھ نہ کچھ حصہ انھیں ضرور حاصل ہوا ہے۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا کو آمین (اے خدا میری یہ دعا قبول فرما) کہہ کر ختم کرنا چاہیے۔

ﷺ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں

نماز کی بعض دعائیں

﴿۱﴾ عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کَبَّرَ ثُمَّ قَالَ: وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ صَلاَ تِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذَالِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لاَ اِلٰـہَ اِلآَ اَنْت، اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّہٗ لاَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلآَ اَنْتَ وَاھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلاَقِ لاَ یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا اِلآَ اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا لاَ یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلآَ اَنْتَ لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ اَنَا بِکَ وَ اِلَیْکَ تَبَارَکْتَ وَ تَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ وَ اِذَا رَکَعَ قَالَ: اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَ بِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ مُخِّیْ وَ عَظْمِیْ وَ عَصَبِیْ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ قَالَ: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْئٍ بَعْدُ وَ اِذَا سَجَدَ قَالَ: اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُّ وَ بِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَ صَوَّرَہٗ وَ شَقَّ سَمْعَہٗ وَ بَصَرَہٗ تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ ثُمَّ یَکُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَا یَقُوْلُ بَیْنَ التَّشَھُّدِ وَالتَّسْلِیْمِ: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ

مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپؐ نماز شروع فرماتے تو تکبیر (اللہ اکبر) کہتے اور پھر کہتے: وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ ـــــ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ ''میں نے یکسو ہوکر اپنا رُخ اس ہستی کی طرف کرلیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (انعام: ۷۹) میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلموں میں سے ہوں۔ (۶: ۱۶۴) اے اللہ تو بادشاہ ہے۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو میرا رب ہے، میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور میں اپنے گناہوں کا معترف ہوں۔ تو میرے سارے گناہ بخش دے۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں اور بہترین اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی کرنے والا نہیں۔ اور برے اخلاق کو مجھ سے دور رکھ۔ تیرے سوا کوئی برے اخلاق کو مجھ سے دور نہیں کرسکتا۔ میں تیرے حضور میں حاضر ہوں اور خدمت گزاری کی سعادت کا آرزومند ہوں۔ بھلائی تمام تر تیرے ہاتھ میں ہے اور برائی کو تجھ سے کوئی نسبت نہیں۔ میں تیرے ہی بل پر ہوں اور تیری ہی طرف رجوع ہوں، تو بابرکت و بلند و برتر ہے۔ میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔''

اور جب رکوع کرتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ رَکَعْتُ ـــــ وَ عَصَبِیْ ''اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا، تیرا مطیع فرمان ہوا، سراپا عجز ہیں تیرے حضور میں میرے کان، میری آنکھیں، میرا مغز، میری ہڈیاں، میرے پٹھے۔''

اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو کہتے:

اَللّٰهُمَّ ـــــ مِنْ شَیْئٍ بَعْدُ ''اے اللہ! ہمارے رب! تیرے ہی لیے حمد ہے آسمانوں اور زمین کو بھر دینے والی اور ان کے علاوہ جو تو چاہے اس کو بھر دینے والی۔''

اور جب سجدے میں جاتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ ـــــ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔'' اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے سجدہ کیا، میں تجھ پر ایمان لایا اور تیرا مطیع فرمان ہوں، میرا چہرہ اس ہستی کے آگے سجدہ ریز ہوا جس نے اسے پیدا کیا، اس کی صورت گری کی اور اس میں کان اور آنکھیں بنائیں۔ بہت بابرکت ہے اللہ بہترین خالق۔''

پھر تشہد اور سلام کے درمیان فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی ـــــ اِلَّآ اَنْتَ۔'' اے اللہ معاف فرما میرا وہ گناہ جو میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا، جس کو میں نے چھپ کر کیا اور جس کو میں نے علانیہ کیا اور جو کچھ میں نے زیادتی کی اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ڈال دینے والا ہے اور کوئی الٰہ نہیں سوائے تیرے۔''

تشریح: ''میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' (سورہ انعام: ۱۶۲-۱۶۳)
اس میں نماز کے مقابلے میں زندگی اور قربانی کے مقابلے میں موت کا لفظ آیا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز ہماری زندگی اور قربانی اور ہماری موت کی تشریح ہے۔ نماز حقیقت میں اس بات کا عہد ہے کہ ہم پوری زندگی میں خدا ہی کی طاعت و بندگی کریں گے۔ ہماری پوری زندگی اسی کی اطاعت میں بسر ہوگی اور قربانی اس کا اظہار اور اس بات کا عہد و پیمان ہے کہ ہماری جان خدا کی راہ میں قربان ہے۔

''تو میرے گناہ بخش دے۔'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ ہو گیا تھا جس کے لیے آپؐ خدا سے بخشش طلب کر رہے ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ خطا اور قصور کا تعلق آدمی کے اپنے درجے اور مرتبے سے ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ نہیں ہوا، پھر بھی آپؐ خدا کے آگے گڑگڑا رہے ہیں اور اس سے بخشش طلب کر رہے ہیں کہ خدایا میری خطاؤں کو معاف فرما، میں خطاوار ہوں۔ آپؐ سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہمیں کرنا چاہیے تھا وہ ہم سے نہیں ہو سکا۔ اللہ کی راہ میں جتنی کوشش کرنی چاہیے تھی وہ ہم نہیں کر سکے۔ آپ اپنا تن من دھن سب کچھ خدا کی راہ میں لگا کر بھی سمجھ رہے ہیں کہ اللہ کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکا۔ یہ عبدیت کا سب سے اونچا مقام ہے۔ اللہ کی عظمت اور بزرگی کا پورا احساس جب آدمی کو ہو جاتا ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اپنا قصور ہی نظر آتا ہے۔ جب آدمی کا دل اس درجہ پاک ہو جاتا ہے اس وقت اللہ اس کے بارے میں کہتا ہے کہ اپنے بندے کا ہم نے سب کچھ معاف کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے میں قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اللہ نے آپؐ کا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔ (سورۃ الفتح: ۲) پھر بھی آپؐ اپنے رب سے غافل نہیں ہوئے۔ آپؐ کو اسی کی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ آپ اپنے رب سے اپنے اور اہلِ ایمان کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔ عبدیت اور بندگی کے سیدھے سادے جذبات کتنے پاکیزہ اور روح کو زندگی بخشنے والے ہیں۔

''بہترین اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرمایا۔'' اسلام کہتے ہی اس کو ہیں کہ آدمی اپنی سیرت، کردار اور اخلاق کے لحاظ سے بہتر بنے۔ اسلام میں انسان سے جس بات کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے وہ انسان کی فطرت اور اس کے حقیقی اخلاق کے عین مطابق ہے۔ اخلاقیات کے باب میں اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

''تیرے ہی لیے حمد ہے۔'' یعنی ساری تعریفوں اور ستائشوں کا مستحق تو ہی ہے۔ آسمان اور زمین تیری حمد کے نغموں سے گونج رہے ہیں۔ یہاں یہ بات جان لینے کی ہے کہ خدا نے ہم پر جو احسانات کیے ہیں ان کی شکر گزاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہماری زبان پر خدا کی تعریف و ستائش کے کلمات ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز میں مختلف اوقات میں مختلف چیزیں پڑھی ہیں۔ بعض نے ان اذکار میں سے کسی ایک کا التزام کرلیا ہے کسی نے دوسرے کا۔ اگر کوئی شخص تمام دعاؤں کو یاد کرلے اور انھیں بدل بدل کر پڑھتا رہے تو زیادہ اچھا ہے۔ جس طرح ہم مختلف اوقات میں قرآن کی مختلف سورتیں اور آیتیں پڑھتے ہیں اسی طرح اگر ہم اپنی نمازوں میں مختلف اوقات میں حضورؐ کی سکھائی ہوئی مختلف دعائیں بھی پڑھیں تو ہماری نمازیں اور زیادہ فطری عبادت بن سکتی ہیں۔ نمازوں کے محض رسمی بن کر رہ جانے میں دوسری باتوں کے ساتھ اس کا بھی دخل ہے کہ ہم نے حضورؐ کی دعاؤں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرلیا ہے۔

حضور ﷺ کی جس دعا کے الفاظ پر بھی غور کیجیے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ رسول کی زبانِ مبارک کے سوا کسی دوسرے کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ اتنا بلند تخیل جو ہر شک وشبہ سے پاک ہو رسول کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے کسی قدر آپؐ کی باطنی کیفیات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لمبی دعائیں نبی ﷺ زیادہ تر رات کے نوافل میں پڑھتے تھے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَيْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ

فَوَقَعَتْ يَدِیْ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَ هُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَ هُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَ هُوَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَيْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

(مسلم)

ترجمه: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا۔ میں آپؐ کو ڈھونڈ ھنے لگی۔ میرا ہاتھ آپؐ کے پاؤں کے تلووں پر پڑا، اس وقت آپؐ سجدے میں تھے اور آپؐ کے دونوں پاؤں کھڑے تھے (جیسے کہ سجدے کی حالت میں ہوتے ہیں) اور آپ عرض کر رہے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ـــــ عَلٰی نَفْسِکَ۔ ’’اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضا مندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری گرفت سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثناء وستائش پوری طرح کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔‘‘

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی حالت میں بھی حق بندگی کو نہیں بھولتے تھے۔ خدا کی عظمت و بزرگی کے جو تقاضے ہوتے ہیں ان کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْکُتُ بَيْنَ التَّکْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ اِسْکَاتَةً فَقُلْتُ: بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْکَاتُکَ بَيْنَ التَّکْبِيْرِ وَ بَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ اَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ وَ بَيْنَ خَطَايَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَايَا کَمَا يُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ.

(بخاری ومسلم)

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قراءت کے درمیان میں کچھ سکوت فرماتے تھے۔ میں نے ایک دن عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! آپؐ تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموش رہ کر کیا پڑھتے ہیں؟ فرمایا: میں پڑھتا ہوں، اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ ـــــ وَالْبَرَدِ۔ ’’اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے بیچ اتنا فاصلہ کر دے جتنا فاصلہ تو نے مشرق اور مغرب کے بیچ رکھا ہے۔ اے اللہ! مجھے خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے

جس طرح سفید کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی، برف اور اولے سے دھو دے۔''

تشریح: نبی ﷺ نے اپنی نماز میں مختلف اوقات میں مختلف دعائیں پڑھی ہیں۔ عام طور پر لوگ تکبیر اور قراءت کے درمیان سُبحَانکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعالٰی جَدُّکَ وَلاَ اِلٰهَ غَیرُکَ۔ ''باعظمت ہے تو اے اللہ! ہم تیری حمد کرتے ہیں، بابرکت ہے تیرا نام، بلند و بالا ہے تیری منزلت! کوئی الٰہ نہیں بجز تیرے۔'' پڑھتے ہیں۔ یہ بھی ان ہی اذکار میں سے ہے جو حضور ﷺ اپنی نماز میں پڑھتے تھے۔ اگر کوئی آپؐ کی پڑھی ہوئی ساری دعائیں یاد کرلے اور انھیں بدل بدل کر پڑھے تو زیادہ اچھا ہے۔

اس دعا میں ہے کہ جس طرح مشرق سے مغرب دور ہے اور مغرب سے مشرق اسی طرح مجھے بھی خطاؤں سے دور رکھ۔ اور جس طرح کپڑے کا میل مختلف چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ اسے پانی سے دھوتے ہیں، پانی موجود نہ ہو تو برف سے اور وہ نہ ملے تو اولوں سے دھوتے ہیں۔ اسی طرح تو میری خطاؤں اور گناہوں کو اپنی مختلف اور گوناگوں رحمتوں سے دھو دے۔ خطاؤں سے آدمی جہنم کا سزاوار ہوتا ہے اور جہنم میں تپش اور دہکتی آگ ہے، اس تپش کی نسبت سے پانی، برف اور اولے کا ذکر فرمایا گیا یعنی میری خطاؤں کو اپنی ان رحمتوں سے دھو دے جو جہنم کی آگ کو سرد کر دینے والی ہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَدْعُوْا فِی الصَّلٰوةِ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَ مِنَ الْمَغْرَمِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ ـــ مِنَ الْمَغْرَمِ ''اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے، مسیح دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے سارے فتنہ سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں گناہ اور قرض سے۔''

تشریح: مسلم کی ایک روایت میں جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ حضور ﷺ نے

فرمایا: اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَھُّدِ الْاٰخِرِ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَ مِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔ ’’جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہوتو اس کو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ عذابِ جہنم سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے اور دجال کے شر سے۔‘‘ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس دعا کے پڑھنے کا خاص موقع نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد سلام سے پہلے ہے۔ یہ دعا نہایت جامع ہے، اس میں دنیا و آخرت کے تمام مصائب اور آفات سے حفاظت کی اللہ سے درخواست کی گئی ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ ِالصَّدِیْقِؓ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْا بِہٖ فِیْ صَلَاتِیْ قَالَ: قُلْ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلاَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی دعا سکھائیے جس کو میں اپنی نماز میں مانگوں۔ آپؐ نے فرمایا: کہو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ــــ اَلْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ’’اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا۔ گناہوں کو تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ اپنی خاص عنایت سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، تو بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

تشریح: نماز میں دعا کا خاص موقع نماز کے آخر میں سلام سے پہلے ہے۔ اس لیے لازماً حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع کے لیے دعا کی تعلیم کے لیے حضورؐ سے درخواست کی ہوگی اور حضورؐ نے اسی موقع کے لیے انھیں یہ دعا سکھائی ہوگی۔ اس دعا سے معلوم ہوا کہ آدمی خواہ خدا کا کتنا ہی اطاعت گزار کیوں نہ ہو اسے اپنے آپ کو سراپا خطا کار ہی تصور کرنا چاہیے اور خدا سے بخشش اور معافی کا خواستگار رہنا چاہیے۔ بندہ طاعت و عبادت میں کتنی ہی سرگرمی کیوں نہ دکھائے، حقِ بندگی کبھی ادا نہیں ہوتا۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَقُوْلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃِ عَلَی الرُّشْدِ وَ اَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَّ لِسَانًا صَادِقًا وَّ اَسْئَلُکَ مِنْ

خَیۡرِ مَا تَعۡلَمُ وَ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ مَا تَعۡلَمُ وَ اَسۡتَغۡفِرُکَ لِمَا تَعۡلَمُ۔ (نسائی)

ترجمہ: شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یوں عرض کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسۡئَلُکَ ـــ لِمَا تَعۡلَمُ "اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے دین میں ثبات اور رشد و ہدایت پر استواری و عزیمت اور مانگتا ہوں تجھ سے تیری (بخشی ہوئی) نعمتوں کی شکر گزاری اور تیری خوب تر عبادت کی توفیق اور مانگتا ہوں تجھ سے قلبِ سلیم، صداقت شعار زبان اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ بھلائی جو تیرے علم میں ہے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس شر اور برائی سے جس کا تجھے علم ہے اور بخشش طلب کرتا ہوں تجھ سے ان گناہوں کی جو تجھے معلوم ہیں۔"

﴿۷﴾ وَ عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ مَسۡعُوۡدٍؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُعَلِّمُنَا بَعۡدَ التَّشَهُّدِ: اَلِّفِ اَللّٰهُمَّ عَلَی الۡخَیۡرِ بَیۡنَ قُلُوۡبِنَا وَ اَصۡلِحۡ ذَاتَ بَیۡنِنَا وَاهۡدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَ نَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوۡرِ وَ جَنِّبۡنَا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَ بَارِکۡ لَنَا فِیۡ اَسۡمَاعِنَا وَ اَبۡصَارِنَا وَ قُلُوۡبِنَا وَ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا وَ تُبۡ عَلَیۡنَا اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ وَاجۡعَلۡنَا شَاکِرِیۡنَ لِنِعۡمَتِکَ قَابِلِیۡهَا وَ اَتِمَّهَا عَلَیۡنَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے بعد ہمیں یہ دعا سکھاتے تھے اَلِّفِ اَللّٰھُمَّ ـــ وَ اَتِمَّھَا عَلَیۡنَا "جوڑ دے اے اللہ! ہمارے دلوں کو بھلائی پر جوڑ دے اور ہمارے باہمی تعلقات کو درست فرما۔ اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نجات دے کر روشنی کی طرف لے آ۔ اور ظاہر و باطن کی بے حیائیوں سے ہمیں دور رکھ اور ہمارے کانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے دلوں، ہماری بیویوں اور ہماری نسل میں برکت دے اور ہم پر عنایت فرما تو بڑا عنایت فرما اور مہربان ہے۔ ہمیں تو اپنی نعمتوں اور احسانات کا شکر گزار اور شایانِ شان طریقہ پر ان کا استقبال کرنے والا بنا اور نعمتوں کا ہم پر اتمام فرما۔"

تشریح: یعنی ہم تجھ سے ہر خیر اور بھلائی کے طالب ہیں، ہمیں ظاہری اور باطنی ہر طرح کی نعمتوں سے نواز دے۔ ہمیں نعمتوں کا قدر شناس اور اپنا شکر گزار بندہ بنا، ایسا نہ ہو کہ تیری طرف سے تو احسانات اور عنایت کی بارش ہو اور ہماری طرف سے کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کا اظہار ہو۔ اس سے بڑھ کر تاریکی اور ضلالت کیا ہو سکتی ہے کہ بندہ اپنے محسنِ حقیقی کے احسانات کو فراموش کر دے اور اس کے حقوق کا اسے کوئی پاس و لحاظ نہ ہو۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ اَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ. اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اِجْعَلْنِىْ مُخْلِصًا لَّكَ وَ اَهْلِىْ فِىْ كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد عرض کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا ــــ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. ”اے اللہ! اے ہمارے رب! اور ہر چیز کے رب! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تنہا تو ہی رب ہے، تیرا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ اے اللہ! ہمارے رب! اور ہر چیز کے رب! میں گواہ ہوں کہ محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے اللہ! ہمارے رب اور رب ہر چیز کے میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو دنیا اور آخرت کی ایک ایک ساعت کے لیے (ہمیشہ کے لیے) اپنا مخلص اور وفادار بنا لے۔ اے ذوالجلال والاکرام میری التجا سن لے، اللہ سب سے بڑا، بزرگ و برتر ہے، اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔“

تشریح: ”اپنا مخلص بنا لے“ یعنی تو ہمیں اپنا صرف اپنا اور ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لے۔ میری وفاداری اور اخلاص میں کبھی فرق نہ آئے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔“ یعنی ساری کائنات اللہ ہی کے نور سے روشن اور قائم ہے۔ اس وسیع کائنات میں جہاں کہیں کوئی رونق اور حسن وکمال یا نور و جمال پایا جاتا ہے، خواہ وہ کسی شکل میں پایا جاتا ہو، اس کا حقیقی سرچشمہ اور منبع خدا کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (سورۃ النور: ۳۵)

﴿۹﴾ وَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَخَذَ بِيَدِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ قَالَ: يَا مَعَاذُ وَاللّٰهِ لَاُحِبُّكَ اُوْصِيْكَ يَا مَعَاذُ لَا تَدَعُهُنَّ فِىْ كُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ. (احمد، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ”اے معاذ!

بخدا مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور پڑھو: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ ـــــ عِبَادَتِکَ۔ ''اے اللہ اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی خوب تر عبادت کے باب میں میری مدد فرما۔''

تشریح: آپ ؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا کہ خاص طور پر اس محبت کی بنا پر جو مجھے تم سے ہے تم کو یہ وصیت اور تاکید کرتا ہوں۔ کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا لازماً پڑھ لیا کرو۔ یہ دعا نہایت مختصر ہونے کے باوجود بڑی اہم اور دلکش ہے۔ اس دعا میں خدا سے ان چیزوں کی درخواست کی گئی ہے جو زندگی کا حاصل ہیں جن کے بغیر زندگی میں صحیح معنوں میں کوئی معنویت اور گہری دل کشی پیدا نہیں ہوسکتی۔

ایک روایت میں اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ کے بجائے رَبِّ اَعِنِّیْ آیا ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا سَلَّمَ یَسْتَغْفِرُ ثَلٰثًا وَ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ وَ تَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تو تین بار استغفار کرتے پھر دعا کرتے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ـــــ وَالْاِکْرَامِ۔ ''اے اللہ تو سلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، تو برکت والا اور بلند و برتر ہے اے عظمت و نوازش والے۔''

تشریح: یعنی تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ ''میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں'' کہتے۔ پھر وہ دعا پڑھتے جو اس حدیث میں نقل کی گئی ہے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ مَّکْتُوْبَۃٍ: لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ وَ مِنْکَ الْجَدُّ۔

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے: لَا اِلٰـہَ ـــــ مِنْکَ الْجَدُّ۔ ''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہی اکیلا خدا ہے۔ کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں، اسی کی حکومت اور فرماں روائی ہے۔ وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے۔ اور وہ ہر چیز پر

قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ! تو جو کچھ عطا فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ فرمائے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کسی اقبال مند کو اس کی اقبال مندی تیرے مقابلہ میں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی۔"

تشریح: امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو خط لکھا تھا کہ آپ مجھے کوئی بات لکھیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ جواب میں حضرت مغیرہؓ نے یہ دعا لکھ کر بھیجی۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے امیر کو منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو اس دعا کی تعلیم و تلقین کرتے سنا۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ۔ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَائُكَ حَقٌّ وَّ قَوْلُكَ حَقٌّ وَّالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ حَقٌّ۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْكَ اَنَبْتُ، وَ بِكَ خَاصَمْتُ وَ اِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ رات میں تہجد پڑھنے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ـــ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ "اے اللہ حمد و ستائش تیرے ہی لیے ہے۔ تو ہی قائم رکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب کا جو ان میں ہیں اور حمد و ستائش تیرے ہی لیے ہے، تو ہی نور ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب کا جو ان میں ہیں۔ اور حمد و ستائش کا مستحق تو ہی ہے۔ تیرے ہی لیے حکومت اور فرماں روائی ہے آسمانوں اور زمین کی اور ان سب کی جو ان میں ہیں۔ حمد و ستائش تیرے ہی لیے ہے، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے (مرنے کے بعد) تیری ملاقات حق ہے، تیرا فرمان حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، سارے نبی برحق ہیں، محمدؐ بھی برحق ہے اور قیامت (کا آنا) برحق ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر بھروسہ کیا، تیری طرف رجوع کیا اور تیرے ہی بل پر میں

(دشمنانِ حق سے) لڑا اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ پس تو بخش دے وہ سب قصور جو مجھ سے پہلے سرزد ہوئے اور جو پیچھے ہوئے، جو میں نے پوشیدہ کیے، جو میں نے علانیہ کیے اور جن کے بارے میں تو مجھ سے زیادہ باخبر ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ڈالنے والا ہے۔ تو ہی الٰہ ہے۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔"

تشریح: امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی دعائے شبانہ کی خصوصیات یہ ہوتی تھیں کہ آپ اس میں اللہ کے حقوق کا اعتراف کرتے اور اس کے سچا ہونے کا اقرار فرماتے اور اس کی بشارتوں اور وعیدوں کو یاد کرتے، بعث بعد الموت، جنت اور دوزخ کے برحق ہونے کی تصدیق فرماتے تھے۔ اس طرح کی ایک دعا معجمِ کبیر اور مستدرک میں حضرت زید بن ثابت سے بھی مروی ہے۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے یہ دعا تعلیم فرمائی تھی اور انھیں حکم دیا تھا کہ اسے اپنے اہلِ خانہ کو سکھاؤ اور ہر روز ان کو اس کی تلقین کرتے رہو۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ موسَی الْاَشْعَرِیِّؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْا بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَ جَهْلِیْ وَ اِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ جِدِّیْ وَ هَزْلِیْ وَ خَطَائِیْ وَ عَمَدِیْ وَ کُلُّ ذَالِکَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَ اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ـــ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔ "اے اللہ! معاف فرما میری خطا کو، میری نادانی کو، کاموں میں زیادتی کو اور اس (گناہ) کو جس کا علم تجھ کو مجھ سے زیادہ ہے۔ اے اللہ! بخش دے میری اس خطا کو جسے میں نے سنجیدگی سے کیا ہو اور جس کو ہنسی مذاق میں کیا ہو اور جس کو بھول چوک میں کیا ہو اور جسے دانستہ کیا ہو اور یہ تمام خطائیں میرے پاس ہیں۔ اے اللہ! بخش وہ سب قصور جو مجھ سے پہلے سرزد ہوئے اور جو پیچھے ہوئے اور جو میں نے پوشیدہ کیے اور جو میں نے علانیہ کیے اور جن کے بارے میں تو مجھ سے زیادہ باخبر ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ڈالنے والا ہے اور تجھے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

صبح وشام کی کچھ دعائیں

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُعَلِّمُ اَصْحَابَهٗ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ: اَللّٰهُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَ بِکَ اَمْسَیْنَا وَ بِکَ نَحْیَا وَ بِکَ نَمُوْتُ وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ وَ اِذَا اَمْسٰی فَلْیَقُلْ: "اَللّٰهُمَّ اَمْسَیْنَا وَ بِکَ اَصْبَحْنَا وَ بِکَ نَحْیَا وَ بِکَ نَمُوْتُ وَ اِلَیْکَ النُّشُوْرُ. (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کی صبح ہو تو اسے (خدا کے حضور میں) عرض کرنا چاہیے: اَللّٰهُمَّ اَصْبَحْنَا ـــــ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔" اے اللہ! تیری مدد سے ہم نے صبح کی اور تیری ہی مدد سے ہم نے شام کی اور تیری ہی مدد سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی حکم کے تابع ہماری موت ہے اور تیری ہی طرف پہنچنا ہے۔"

اور اسی طرح جب وہ شام کرے تو (خدا کے حضور میں) عرض کرے: اَللّٰهُمَّ بِکَ اَمْسَیْنَا ـــــ اِلَیْکَ النُّشُوْرُ۔" اے اللہ! تیری ہی مدد سے ہم نے شام کی اور تیری ہی مدد سے ہم نے صبح کی اور تیری ہی مدد سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی فیصلہ کے تابع ہماری موت ہے اور تیرے ہی حضور میں پھر اٹھ کر حاضر ہونا ہے۔"

تشریح: انسانی زندگی میں صبح وشام کی آمد و رفت بڑی نعمت ہے۔ اوقات کی یہ نیرنگی زندگی کو اکتاہٹ سے نجات دلاتی ہے، انسان کو خدا کی اس عظیم نعمت کا احساس ہونا چاہیے، پھر اسی کے ساتھ اس کے ذہن کو اس حقیقت کی طرف بھی منتقل ہونا چاہیے کہ صبح اور شام کی طرح ہماری زندگی کی صبح وشام بھی خدا کے حکم کے تابع ہے۔ ایک دن ہمیں دنیا سے رخصت ہونا ہے اور خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ کہنے کے لیے تو یہ ایک چھوٹی سی دعا ہے جسے صبح وشام پڑھنے کی تعلیم نبی ﷺ نے فرمائی ہے لیکن دیکھیے کس طرح زندگی کی حقیقتوں کو اس میں سمیٹ لیا گیا ہے، زندگی کو صحیح رخ پر رکھنے کے لیے اس دعا کا ورد کیا کسی کیمیا سے کم ہے یہی خصوصیت آپؐ کی تعلیم فرمائی ہوئی تمام دعاؤں میں پائی جاتی ہے۔

(۲) وَ عَنْ حُذَیْفَةَؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ یَدَهٗ

تَحتَ خَدِّہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ: "اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْییٰ" وَ اِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔" (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ جب رات کو اپنے بستر پر جاتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیتے۔ پھر فرماتے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْییٰ "اے اللہ! تیرے ہی نام کے ساتھ میری زندگی بھی وابستہ ہے اور موت بھی" اور جب سو کر اٹھتے تو عرض کرتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ـــــ النُّشُوْرُ۔ "حمد و ستائش اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم پر موت طاری کرنے کے بعد ہمیں زندگی دی اور اسی کی طرف (مرنے کے بعد) دوبارہ اٹھ کر حاضر ہونا ہے۔"

تشریح: یعنی جس طرح اللہ ہمیں خواب سے بیدار کرتا ہے اسی طرح وہ ہمیں موت کے بعد بھی دوبارہ زندگی عطا کرے گا، آخر کار ہمیں اس کے سامنے اپنے کارنامۂ زندگی کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔ چونکہ نیند بڑی حد تک موت سے مشابہ ہے اس لیے اسے موت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کا یہ عمل منقول ہے کہ ہر شب کو آپ جب بستر خواب پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جوڑ لیتے اور سورۂ اخلاص، الفلق اور الناس پڑھ کر ان کو پھونکتے اور اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکتا انھیں پھیر لیا کرتے تھے۔ مسح کی ابتدا، سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے سے فرماتے۔ یہ عمل آپؐ تین بار فرماتے تھے۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَکَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْئَکَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّکَ الْاَیْمَنِ وَ قُلْ: اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَھْبَۃً وَّ رَغْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّآ اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْٓ اَنْزَلْتَ وَ نَبِیِّکَ الَّذِیْٓ اَرْسَلْتَ، فَاِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَی الْفِطْرَۃِ وَاجْعَلْھُنَّ اٰخِرَ مَا تَقُوْلُ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو پہلے وضو کرو جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہو۔ پھر اپنے داہنے پہلو لیٹ جاؤ اور (خدا کی بارگاہ میں) عرض کرو: اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ ـــــ نَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ "اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو بالکل آپ کے سپرد کر دیا، اپنے رُخ کو آپ کی جانب متوجہ کیا، اپنے

سب امور آپ کے حوالے کر دیئے، آپ ہی کو اپنا پشت پناہ بنایا، آپ سے ڈرتے اور امید و طلب کرتے ہوئے، آپ کے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ نہیں جہاں آپ (کی گرفت) سے بچ کر کوئی نکل سکے۔ میں ایمان لایا آپ کی کتاب پر جسے آپ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی اور آپ کے نبی پر جسے آپ نے بھیجا۔" پس اگر تمھاری موت آگئی تو وہ دینِ فطرت پر ہوگی۔ ان کلمات کو (سونے سے قبل) اپنا آخری بول بناؤ۔"

تشریح: نبی ﷺ کی تعلیم نے آرام و استراحت کو بھی کس طرح نماز کی طرح مقدس بنا دیا۔ نماز کے لیے وضو شرط ہے۔ بستر خواب پر جانے کے لیے بھی وضو کی تعلیم دی جا رہی ہے، جس طرح نماز کی روح اور حقیقت توجہ الی اللہ اور خدا کی یاد ہے اسی طرح اس دعا میں خواب و استراحت کو بھی توجہ الی اللہ اور حوالگی و سپردگی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

کسی شخص نے اگر اپنے آپ کو خدائے واحد کے آگے ڈال دیا اور اسی کو اپنا سرپرست اور پناہ دہندہ بنالیا اور اس کی اتاری ہوئی ہدایت پر ایمان لے آیا تو حقیقت میں اس نے اس دین کو اختیار کر لیا جو صحیح اور فطری دین ہے، جس سے انحراف دراصل اپنی فطرت سے انحراف اور بغاوت کے مرادف ہے۔

اس حدیث میں جو دعا تعلیم فرمائی گئی ہے اس میں اس کیفیت اور حالت کی کامل عکاسی ہوئی ہے جو ایک خدا پرست انسان کی حالت اور کیفیت ہونی چاہیے۔ اگر اسی پر آدمی کو موت آجائے تو یقیناً اس کی موت دینِ فطرت پر ہوگی۔

مجلس کی دعا

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَلَّ مَا کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰی یَدْعُوَ بِھٰؤُلَاءِ الدَّعْوَاتِ لِاَصْحَابِهٖ اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ مَعْصِیَتِکَ وَ مِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَکَ وَ مِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا وَ مَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَ اَبْصَارِنَا وَ قُوَّتِنَا مَآ اَحْیَیْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ نبی ﷺ کسی مجلس سے اٹھیں اور اپنے اصحاب کے لیے یہ دعا نہ فرمائیں: اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ ـــــ مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا ’’اے اللہ! ہمیں نصیب فرما اپنی خشیت اتنی کہ جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہوجائے اور اپنی اطاعت اتنی کہ جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہنچادے اور یقین اتنا کہ جس سے تو دنیا کی مصیبتوں کو ہمارے لیے ہیچ بنادے اور جب تک ہمیں زندہ رکھ ہم کو ہمارے کانوں، ہماری آنکھوں اور ہماری توانائیوں سے بہرہ مند رکھ اور انھیں آخر تک باقی رکھ اور ہمارے جوشِ انتقام کا رُخ انھی کی طرف رکھ جو ہم پر ظلم کریں اور جو ہماری دشمنی پر کمر بستہ ہو اس پر ہمیں غلبہ عطا فرما اور ہمارے دین کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے ہمیں محفوظ رکھ۔ اور دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر اور ہمارا مبلغ علم نہ بنا اور ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔‘‘

تشریح: ایک روایت میں جس کے راوی ابوہریرہؓ ہیں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو آخر میں فرماتے تھے: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ ’’باعظمت ہے تو اے اللہ! حمد و ستائش ہے تیرے لیے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔‘‘ کسی مجلس سے اٹھنے پر آدمی اگر لمبی دعا نہ پڑھ سکے تو یہ مختصر دعا ہی پڑھ لے۔ حضور ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں اگر آدمی پورے شعور کے ساتھ پڑھے تو وہ اس کی زندگی کو بدلنے اور سدھارنے کے لیے کافی ہیں۔

سفر کی دعا

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِہٖ خَارِجًا اِلَی السَّفَرِ کَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی۔ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ

اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَ اِذَا رَجَعَ قَالَھُنَّ وَ زَادَ فِیْھِنَّ 'اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَاحَامِدُوْنَ۔
(مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار ''اللہ اکبر'' کہتے۔ اس کے بعد فرماتے: سُبْحٰنَ الَّذِیْ ـــــ وَالْاَھْلِ ''باعظمت ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر فرمایا، ہم میں تو اس کی قدرت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! اپنے اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، تقویٰ اور اس عمل کی استدعا کرتے ہیں جو تیری رضا کا باعث ہو۔ اے اللہ! اس سفر کو ہمارے لیے آسان کر دے اور اس کی مسافت کو مختصر کر دے۔ اے اللہ! تو ہی اس سفر میں رفیق اور ساتھی ہے اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل وعیال اور مال کے لیے ہمارا قائم مقام ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اندوہناک مناظر سے اور اس سے کہ واپس ہو کر میں اہل وعیال اور مال و جائداد کو بری حالت میں دیکھوں تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

اور جب آپ سفر سے واپس ہوتے اس وقت بھی یہ کلمات فرماتے اور ان میں ان الفاظ کا اضافہ فرماتے: اٰئِبُوْنَ ـــــ حَامِدُوْنَ ''ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں۔''

تشریح: ''اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ آدمی کو ہر بلندی پر خدا کی عظمت اور اس کی بڑائی کا خیال ہونا چاہیے۔ اونٹ کیا اس وقت تو کتنے ہی لوگ بلند پرواز ہوائی جہازوں میں سوار ہو کر فضائے آسمانی میں تیرتے ہیں لیکن ایسے لوگ کم ہی ہیں جو اس موقع پر خدا کی عظمت و برتری کو یاد کرتے ہوں۔

''اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں'' یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں اس طرح ایک دن ہمیں ایک دوسرا سفر بھی کرنا ہے اور وہ ہے دنیا سے خدا کی طرف ہماری روانگی۔ اس اہم سفر کی تیاری سے آدمی کو کسی حال میں بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

ہم سفر میں ہوتے ہیں تو ہمارے اہل وعیال کا محافظ و نگراں اللہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ جب کسی غزوہ یا حج وغیرہ کے سفر سے واپس ہوتے تو راستے کے ہر بلند مقام پر سے گزرتے ہوئے تین بار اللہ اکبر کہتے اور یہ دعا پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم) حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! میں سفر کے لیے پابہ رکاب ہوں۔ آپؐ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ فرمایا: عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ ''اللہ کا ڈر رکھنا اور جب کسی بلند مقام پر چڑھنا تو تکبیر کہنا۔'' (احمد و ترمذی) کعب بن مالک کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ واپس آکر مسجد میں دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ سفر میں بالعموم آدمی بے اطمینانی کی حالت میں ہوتا ہے لیکن سفر کی حالت میں بھی حضور ﷺ کی جو باطنی کیفیات ہوتی تھیں ان کا کسی قدر اندازہ ان کلمات سے کیا جاسکتا ہے جو حالت سفر میں آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتے تھے ـــــ حضرت ابن عمرؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ یا حج سے یا عمرہ سے واپس ہوتے تو ہر اونچی زمین پر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر فرماتے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ (بخاری و مسلم) ''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اسی کی ہے، حمد وستائش اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اکیلے ہی جمعیتوں کو شکست دی۔''

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَوْدَعَ رَجُلًا اَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ ﷺ وَ يَقُوْلُ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَ اَمَانَتَكَ وَ اٰخِرَ عَمَلِكَ۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کو رخصت فرماتے تو کہتے: اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ ـــــ عَمَلَكَ۔ ''میں نے تمھارے دین، تمھاری امانت اور تمھارے آخری عمل کو اللہ کے سپرد کیا۔''

تشریح: ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب کسی مسافر کو رخصت کرتے تو اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک خود وہ شخص نہ چھوڑتا۔ (ترمذی)

کھانے کی دعا

⟨۱⟩ **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا اَکَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔** (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ کھاتے یا پیتے تو فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ــــ الْمُسْلِمِیْنَ ''حمد و ثنا کا مستحق وہ اللہ ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔''

تشریح: ظاہری نعمتوں کے ساتھ اس عظیم روحانی نعمت کو بھی یاد فرمایا کہ خدا نے اسلام جیسی بے بہا دولت عطا فرمائی ہے۔ اس نعمت پر خدا کے حضور شکر و سپاس کے جذبات نذر نہ کیے جائیں تو یہ سب سے بڑی احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت ہے۔

رنج وغم کے وقت کی دعا

⟨۱⟩ **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَ الْکَرْبِ: لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔** (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی اور غم کے وقت یہ کلمات فرماتے: لا الہ ــــ العرش الکریم ''کوئی الٰہ نہیں اللہ کے سوا جو باعظمت اور بردبار ہے، کوئی الٰہ نہیں اللہ کے سوا جو عرشِ عظیم کا مالک ہے، کوئی الٰہ نہیں اللہ کے سوا جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب ہے اور عرشِ کریم کا رب ہے۔''

تشریح: غم اور پریشانی اور بے چارگی کے عالم میں خدا کی عظمت اور اس کی بزرگی کو یاد کرنا برمحل ہے۔ ایک دوسری روایت میں بھی آیا ہے: جب آپ کو کوئی فکر دامن گیر ہوتی تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرماتے: سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اور جب دعا اور گریہ میں انہماک زیادہ بڑھ جاتا تو فرماتے: یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ (ترمذی) ایک روایت میں ہے کہ بے چینی اور اضطراب و الم کی حالت میں فرماتے: یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ ''اے زندۂ جاوید! اے کائنات کو سنبھالنے والے! تیری رحمت سے میری فریاد ہے۔''

کچھ جامع دعائیں

〈۱〉 **عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ: کَانَ اَکْثَرُ دُعَآءِ النَّبِیِّ ﷺ: اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔** (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ ـــ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ''اے اللہ! ہمیں عطا فرما، دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

تشریح: یہ دعا قرآن سے ماخوذ ہے دیکھیے سورۃ البقرہ:۲۰۱۔ یہ دعا انتہائی جامع ہے۔ اس میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کو سمیٹ لیا گیا ہے۔

〈۲〉 **وَ عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ: یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْھَرَمِ وَالْبُخْلِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔** (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ ـــ وَالْمَمَاتِ۔ ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سستی سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے اور ضعف سے اور بخل سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہر فتنہ وآزمائش میں تو میری مدد کر اور مجھے گمراہی اور ہلاکت سے بچالے۔

〈۳〉 **وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔** (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ ـــ مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔ ''اے اللہ! درست فرما دین کو جو میرے کاموں اور میرے معاملہ کا محافظ ہے۔ اور درست فرما میری دنیا کو جس میں میرا رہنا سہنا ہے اور درست فرما میری آخرت کو جہاں مجھے لوٹ

کر جانا ہے اور میری زندگی کو ہر نیکی میں بڑھا اور موت کو میرے لیے ہر برائی سے راحت و آرام کا سبب بنا۔“

تشریح: دین کے ذریعہ سے ہمارے نفس، مال وغیرہ ہر چیز کی حفاظت ہوتی ہے۔ ہمارا دین خود ہمارا پاسبان ہے۔ کسی کا یہ قول کتنا صحیح ہے کہ جتنی حفاظت مسلمانوں نے اسلام کی کی ہے اس سے کہیں زیادہ خود اسلام نے ان کی حفاظت کی ہے۔ دین نے ہر ایک کے حقوق ٹھہرائے ہیں۔ دین کی درستی سے آدمی ہر طرح کی تباہی و بربادی سے محفوظ رہتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بہتر زندگی وہی ہے جو نیکی کے ہم معنی ہو۔ اور بہترین موت راحت و مسرت سے ہم کنار کرتی ہے۔ اور ہر طرح کے فتنوں اور برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ـــ وَالْغِنٰی۔ ”اے اللہ! میں تجھ سے طلب کرتا ہوں ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنا۔“

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَدْعُوْا یَقُوْلُ: رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْ لِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِنِیْ وَ یَسِّرِ الْھُدٰی لِیْ وَانْصُرْ لِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَّکَ ذَاکِرًا لَّکَ رَاھِبًا لَّکَ مِطْوَاعًا لَّکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَ ثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَ سَدِّدْ لِسَانِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا فرماتے تھے: رَبِّ اَعِنِّیْ ـــ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ۔ ”رب! میری مدد کر، میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر۔ مجھے فتح عطا کر اور میرے خلاف کسی کو فتح نہ دے۔ میرے لیے خفیہ تدبیر کر اور میرے خلاف کسی کے لیے خفیہ تدبیر نہ کر اور مجھے ہدایت دے اور سیدھے راستے پر چلنا میرے لیے آسان کر دے اور اس کے خلاف میری مدد کر جس نے مجھ پر زیادتی کی ہو۔ رب اپنا مجھے اپنا شکر گزار، اپنا ذکر کرنے والا، اپنے سے

(رب سے) ڈرنے والا، اپنا فرماں بردار اپنی طرف عاجزی کرنے والا اور زیادہ آہیں بھرنے والا اور رجوع کرنے والا۔ رب! میری توبہ قبول فرما، میرے گناہ کو دھوڈال، میری دعا قبول کر، میری دلیل وحجت کو باقی رکھ۔ میری زبان کو درست رکھ اور میرے دل کو ہدایت سے نواز اور میرے سینہ (دل) کی سیاہی کو نکال دے۔''

تشریح: یعنی میرے اندر وہ تمام ظاہری و باطنی اوصاف پیدا کردے جو تجھے پسند ہیں۔ مجھے زندگی کی وہ تمام پاکیزگیاں عطا ہوں جو تیرے اطاعت شعار بندوں کی سب سے قیمتی متاع ہیں۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَ مِنْ دُعَآءٍ لَا يُسْمَعُ وَ مِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هٰؤُلَآءِ الْاَرْبَعِ۔ (ترمذی، نسائی)

ترجمہ: ابن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ ـــــ اَلْاَرْبَعِ ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے دل سے جس میں عاجزی وفروتنی نہ ہو اور ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے اور ایسے نفس سے جو آسودہ نہ اور ایسے علم سے جو فائدہ بخش نہ ہو۔ میں ان چاروں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ کامیاب شخص وہی ہے جو لایعنی باتوں سے دور رہتا ہے، جو فضول کاموں میں اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا، جس کا دل نرم، خدا کے آگے جھکا ہوا ہو، جس کا نفس بے صبر نہ ہو، جو قانع اور خدا کے فیصلہ پر راضی ہو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ سُوْٓءِ الْاَخْلَاقِ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اللھم ـــــ الاخلاق ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، مخالفت، نفاق اور بداخلاقی سے۔''

﴿۸﴾ عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَانَ مِنْ دُعَآءِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِىْ يُبَلِّغُنِىْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِىْ وَمَا لِىْ وَ

اَهْلِیْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ۔ قَالَ وَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا ذَکَرَ دَاوٗدَ یُحَدِّثُ عَنْهُ یَقُوْلُ کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ ــــ الْبَارِدِ'' اے اللہ! میں طالب ہوں تیری محبت کا اور ان کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کا جو مجھے تیری محبت تک رسائی بخشے! اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے لیے محبوب تر بنا دے، میرے اپنے نفس سے، میرے اپنے مال سے، میرے اپنے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے۔'' اور نبی ﷺ جب حضرت داؤدؑ کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے تھے، ''وہ بہت ہی بڑے عابد شخص تھے۔''

تشریح: بندے کا خدا سے تعلق اور رشتہ محض حاکم و محکوم کا نہیں ہے بلکہ خدا کی ہستی بندے کے لیے ایک معبود اور محبوب و مطلوب ہستی بھی ہے۔ قرآن میں بھی اہل ایمان کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ خدا سے بے انتہا محبت رکھتے ہیں۔ ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (البقرہ:۱۶۵) ''اور جو اہل ایمان ہیں انھیں تو سب سے بڑھ کر محبت اللہ ہی سے ہوتی ہے۔'' ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗٓ لا اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ز یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط (المائدہ:۵۴) ''اے ایمان لانے والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو (وہ جان لے کہ) جلد ہی اللہ ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اس کو محبت ہو گی اور اس سے انھیں محبت ہو گی۔ وہ اہل ایمان کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔'' ایمان اور اسلامی تعلیم کی انتہا محبتِ الٰہی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے انجیل اور قرآن میں ''زندگی'' کہا گیا ہے۔ ہم دل و جان سے اللہ سے محبت کریں، زندگی درحقیقت یہی ہے۔ حضرت مسیحؑ سے دریافت کیا گیا کہ توریت کے احکام میں سب سے اعلیٰ حکم کیا ہے؟ فرمایا: ''خدا کی محبت 'تمام دل' تمام روح، تمام عقل، سے کرنا یہی سب سے اول اور اعظم حکم ہے۔'' (متی:۲۲)

زبور میں جو ترانے داؤدؑ کی طرف منسوب ہیں ان سے بھی اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کو اپنے رب سے انتہائی محبت تھی اور وہ بڑے ہی عبادت گزار تھے۔ مثال کے طور

پر زبور کے یہ فقرے ملاحظہ ہوں: ''اے خدا! تو میرا خدا ہے۔ میں دل سے تیرا طالب ہوں گا۔ خشک اور پیاسی زمین میں جہاں پانی نہیں، میری جان تیری پیاسی اور میرا جسم تیرا مشتاق ہے۔ اسی طرح میں نے مقدس میں تجھ پر نگاہ کی تا کہ تیری قدرت اور حشمت کو دیکھوں کیونکہ تیری شفقت زندگی سے بہتر ہے۔ میرے ہونٹ تیری تعریف کریں گے۔ اسی طرح میں عمر بھر تجھے مبارک کہوں گا اور تیرا نام لے کر اپنے ہاتھ اٹھایا کروں گا۔ میری جان گویا گودے اور چربی سے سیر ہوگی اور میرا منہ مسرور لبوں سے تیری تعریف کرے گا جب میں بستر پر تجھے یاد کروں گا اور رات کے ایک ایک پہر میں تجھ پر دھیان دوں گا۔ (زبور ۶۳: ۱-۶)

﴿۹﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِيْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید الخطمی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

''اے اللہ! مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت عطا فرما جس کی محبت تیرے نزدیک میرے لیے فائدہ بخش ہو۔ خدایا! جو کچھ تو نے مجھے میری پسندیدہ چیزوں میں سے دیا ہے اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرا معین بنادے۔ خدایا! جو کچھ تو نے میری پسندیدہ چیزوں میں سے مجھ سے روک رکھا ہے اسے تو میرے حق میں ان چیزوں کے لیے موجب فراغ بنا جو تجھے پسند ہیں۔''

تشریح: اس دعا میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اللہ نے جو پسندیدہ چیزیں عطا کی ہیں وہ خدا کے پسندیدہ اعمال میں معین اور مددگار رہوں اور جن چیزوں سے خدا نے ہمیں روک دیا ہے خواہ وہ اپنے لیے محبوب ہی کیوں نہ ہوں، یہ روکنا ہمارے لیے فراغت کا باعث ہو اور ان چیزوں کے لیے ہم فارغ ہوں جو خدا کو پسند ہیں یعنی اس دوری کا یہ اثر ہو کہ تیری مرضیات مجھے محبوب ہوجائیں، جو تجھے پسند ہے وہی میں بھی پسند کرنے لگوں۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَاَوْجَزَ فِيْهَا فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَ اَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَمَا

عَلَیَّ ذَالِکَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِیْهَا بِدَعْوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ هُوَ اَبِیْ غَیْرَ اَنَّهٗ کَنٰی عَنْ نَفْسِهٖ فَسَاَلَهٗ عَنِ الدُّعَآءِ ثُمَّ جَآءَ وَ اَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ: اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَ قُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیٰوةَ خَیْرًا لِّیْ وَ تَوَفَّنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَیْرًا لِّیْ، اَللّٰهُمَّ وَ اَسْئَلُکَ خَشْیَتَکَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَ اَسْئَلُکَ کَلِمَةَ الْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْئَلُکَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی وَ اَسْئَلُکَ نَعِیْمًا لَّا یَنْفَدُ وَ اَسْئَلُکَ قُرَّةَ عَیْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَ اَسْئَلُکَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَ اَسْئَلُکَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ اَسْئَلُکَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْهِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَآئِکَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ. اَللّٰهُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَّهْدِیِّیْنَ. (نسائی)

ترجمہ: عطاء بن سائبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ عمارؓ بن یاسر نے ہمیں نماز پڑھائی۔ انھوں نے نماز میں اختصار کیا۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے نماز ہلکی پڑھی اور نماز کو مختصر کر دیا۔ انھوں نے کہا: مجھے یہ تخفیف مضر نہیں کیونکہ میں نے اس نماز میں ایسی دعائیں کی ہیں جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر جب وہ کھڑے ہوئے تو لوگوں میں سے ایک شخص ان کے پیچھے ہولیا اور وہ میرے والد تھے۔ عمارؓ سے وہ دعا پوچھی، پھر آئے اور لوگوں کو اس سے آگاہ کیا: (وہ دعا یہ ہے) اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ ـــــ هُدَاةً مَّهْدِیِّیْنَ۔ ”اے اللہ! بحق اپنے علم غیب کے اور بحق اپنی قدرت کے جو تجھے مخلوق پر حاصل ہے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک حیات تیرے علم میں میرے لیے بہتر ہو اور مجھے موت دے جب کہ موت تیرے علم میں میرے لیے بہتر ہو، اے اللہ! اور میں تجھ سے کھلے چھپے ہر حال میں تیرا خوف مانگتا ہوں اور میں تجھ سے اس کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے حق بات کہنے کی توفیق حاصل ہو، خوشی کی حالت میں بھی ناراضی کی حالت میں بھی اور میں تجھ سے اس کا طلب گار ہوں کہ راہِ اعتدال پر قائم رہوں، افلاس میں بھی اور وسعت اور غنا کی حالت میں بھی۔ میں تجھ سے ایسی نعمت کا طالب ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور میں تجھ سے تیرے فیصلے کے بعد رضا کا طالب ہوں اور میں تجھ سے موت

کے بعد خنکیِ حیات کا طالب ہوں، تجھ سے لذتِ دیدار کا طالب ہوں کہ تیرے روئے مبارک کی طرف دیکھوں اور مجھے تیری ملاقات کا ایسا شوق درکار ہے جو ضرر رساں نہ ہو اور نہ فتنہ و گمراہی میں مبتلا کرنے والا ہو۔ اے اللہ! ہمیں زینتِ ایمان سے مزین فرما۔ اور ہمیں ان لوگوں کی سیدھی راہ پر لگا جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

تشریح: یہ ایک جامع دعا ہے۔ اس میں خدا سے جن باتوں کے لیے دعا فرمائی گئی ہے ان کو زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

(۱) تنگی و خوشحالی ہر حالت میں میری زندگی کا توازن برقرار رہے۔ میں غیر معتدل اور نامناسب روش کسی حال میں اختیار نہ کروں۔

(۲) تیرے حکم اور تیرے فیصلہ پر میں ہر حال میں راضی رہوں۔ مجھے اصلاً جو چیز مطلوب ہو وہ تیری رضا اور خوشنودی کے سوا کچھ اور نہ ہو۔

(۳) یعنی موت کے بعد وہ راحت اور آرام میرے حصے میں آئے جس کا تو نے اپنے مومن بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔

(۴) تیری ملاقات کا مجھے شوق ہو لیکن یہ شوق ایسا نہ ہو کہ مجھے کسی فتنہ و گمراہی میں مبتلا کردے اور میں احکام سے غافل ہو جاؤں۔ مجھے وہ شوق و طلب چاہیے جس کے سبب سے میں زیادہ سے زیادہ تیری اطاعت و فرماں برداری کر سکوں۔

(۵) ہمیں زینتِ ایمان سے زینت بخش۔ اس فقرے سے معلوم ہوا کہ ایمان حیات کی زینت اور رونق ہے۔ ایمان کو ایک بے کیف اور خشک نظریہ سے وہی لوگ تعبیر کر سکتے ہیں جو ایمان کی لذت سے آشنا نہیں ہیں۔ قرآن سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایمان دلوں کی زینت اور رونق ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ (الحجرات:۷) ''لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں رچا بسا دیا اور کفر و فسق و فجور اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناگوار بنا دیا۔ یہی لوگ سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں۔''

توبہ واستغفار

﴿۱﴾ عَنْ اَعَزِّ الْمُزَنِيَّةِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ حَتّٰى اَسْتَغْفِرَ اللّٰهَ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ، اَخْرَجَهٗ مُسْلِمٌ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ فِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ تُوْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ فَوَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَاَتُوْبُ اِلٰى رَبِّىْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

ترجمہ: اعز مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے دل پر ایک پردہ سا آجاتا ہے یہاں تک کہ میں خدا سے ہر روز سو بار مغفرت چاہتا ہوں۔'' مسلم وابوداؤد اس کے راوی ہیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''توبہ کرو اپنے رب کے حضور میں، بخدا میں ہر روز اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے حضور میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ توبہ و استغفار میں نفس کی گھٹن اور کدورت زائل کرنے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ آدمی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ دنیوی علائق ولوازمات میں دل کی کیفیت یکساں نہیں رہتی۔ توبہ واستغفار سے اس کی تلافی ہوجاتی ہے اور وہ ابر جو آسمانِ دل پر آجاتا ہے بآسانی صاف ہوجاتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِى الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''بخدا میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔''

تشریح: آدمی جتنا زیادہ خدا کا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اسے خدا کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور اتنا ہی زیادہ اسے اپنے اندر قصور نظر آتا ہے۔ اپنے تمام تر نیک اعمال، اخلاص وتقویٰ کے باوجود وہ خدا کے سامنے اپنے کو خطا کار ہی سمجھتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَتْ ذُنُوْبُهٗ وَ اِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔ (ابوداؤد، ترمذی، حاکم)

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کہا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ــــ اَتُوْبُ اِلَيْهِ'' میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ زندۂ جاوید اور قیوم ہے اور اسی کے حضور میں توبہ کرتا ہوں'' اس کے گناہ بخش دیئے گئے اگرچہ وہ جنگ سے (پیٹھ پھیر کر) بھاگا ہو۔''

تشریح: سچے دل سے جب کوئی شخص اپنے گناہ پر نادم ہوتا ہے اور خدا سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے تو خدا اس کے بڑے سے بڑے گناہ کو بھی بخش دیتا ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهٗ ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔'' (ترمذی، بیہقی فی شعب الایمان) ہمارے لیے اس حدیث میں تسلی و تشفی کا بڑا سامان موجود ہے۔ توبہ کے سلسلے میں یہ بات سامنے رہنی چاہیے کہ اگر کسی نے کسی شخص کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا ہے تو توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ حتی الوسع نقصان کی تلافی بھی کرنی چاہیے۔

﴿۴﴾ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ۔
(مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں فنا کر دے اور (تمھاری جگہ) ایسے لوگوں کو پیدا کرے جو گناہ کر کے اللہ سے مغفرت کے طالب ہوں اور اللہ ان کو بخش دے۔''

تشریح: اس حدیث سے اوپر کی حدیث کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بڑی تسلی ہے جو بشری کمزوری کے سبب کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہوں اور اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہوں۔ اس حدیث میں دراصل اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ انسان کی اصل خوبی اور اس کی فطرت کا اصل کمال یہ نہیں ہے کہ اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ یہ خوبی اور کمال تو خدا نے فرشتوں کے لیے رکھا ہے۔ انسان کے لیے جو خوبی رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی اس سے کوئی قصور ہو جائے تو اسے شرم دامن گیر ہو، وہ جلد سے جلد سنبھل جائے، قصور کی تلافی کرے اور اپنی اصلاح کی کوشش میں لگ جائے۔ انسان اگر اپنی لغزش پر سنبھلتا اور اصلاح و تلافی کے لیے کوشاں ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی اصلی فطرت گندی نہیں ہوئی ہے، گندگی اگر لگی ہے تو اوپر ہی لگی ہے۔

〈۵〉 وَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَّ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص، استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ نکال دیتا ہے اور ہر غم و پریشانی سے اسے نجات دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے اور اس طرح رزق بہم پہنچاتا ہے جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ استغفار بہت سی پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کتنی ہی پریشانیاں آدمی کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ استغفار کرنے سے خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کی پریشانیاں بھی دور ہوجاتی ہیں۔

〈۶〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: كُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّآءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّآئِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔“

تشریح: خطا اور غلطی انسان سے ہوتی ہی رہتی ہے لیکن بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ خدا کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے رہتے ہیں۔

〈۷〉 وَ عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَ لَهٗ وَ اِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: بلال بن یسارؓ کہتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے میرے والد نے اور ان سے ان کے دادا نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص کہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ ــــ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ ”میں بخشش طلب کرتا ہوں، اس خدا سے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، جو زندۂ جاوید

اور قائم بالذات اور سارے جہان کا قائم رکھنے والا ہے اور میں اسی کی طرف پلٹتا ہوں۔اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔اگرچہ وہ جہاد سے فرار ہوا ہو۔‘‘

تشریح: توبہ اگر دل سے کی جائے تو بڑے سے بڑے گناہ بھی بخش دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس شخص کی بھی بخشش ہو سکتی ہے جو میدانِ جہاد سے دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگا ہو۔

ابوداؤد کی روایت میں بلال بن یسار کے بجائے ہلال بن یسار آیا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ اِنْ کُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی الْمَجْلِسِ یَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم شمار کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک نشست میں سو بار فرماتے: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ـــ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ‘‘ اے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر عنایت فرما۔بے شک تو سب سے بڑھ کر توبہ قبول کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔‘‘

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ تَابَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِھَا تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص نے پچھّم سے سورج طلوع ہونے کے پہلے توبہ کر لی، خدا اس کی توبہ قبول کر لے گا۔‘‘

تشریح: قیامت سے پہلے سورج پچھّم کی طرف سے طلوع ہوگا۔یہ قیامت برپا ہونے کی ایک بڑی نشانی ہوگی۔حق سب پر واضح ہو جائے گا اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔اس لیے کہ غیبی امر کے اس طرح عیاں ہو جانے کے بعد آزمائش کا موقع ہی باقی نہیں رہتا۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا تو اسے دیکھ کر اہل زمین ایمان لائیں گے، اس وقت کسی ایسے شخص کو جس کا ایمان فائدہ نہ پہنچا سکے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو، ٹھیک اسی طرح اس وقت کا ایمان لانا بھی معتبر نہیں ہے جب آدمی کی موت کا وقت آ گیا ہو اور غیبی امور اس پر ظاہر ہو گئے ہوں۔

اللہ کا ذکر

اللہ کی یاد اور اس کا ذکر درحقیقت اسلام کی اصل روح اور بنیاد ہے۔ اس کے بغیر انسان کو وہ زندگی حاصل نہیں ہوتی جو اسلام میں مطلوب ہے۔ اللہ کی یاد اور اس کا خیال ہی ہے جو انسان کی زندگی کو مستقل طور سے خدا اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑے رکھتا ہے۔ جس طرح جسمانی وجود کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ سانس کی آمد وشد کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہے، ٹھیک اسی طرح ہمارے روحانی اور اخلاقی وجود کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہمہ وقت خدا کی طرف راغب رہیں، ہماری زبان دائماً اس کے ذکر سے تر رہے۔ خدا کا خیال دل میں اس طرح بس جائے کہ وہ ہمارے شعور سے گزر کر تحت الشعور اور لاشعور تک میں اتر جائے اور پھر ہماری حرکات وسکنات، ہماری چال ڈھال، ہماری گفتگو اور خاموشی غرض ہماری ہر چیز اس بات کی غمّاز ہو کہ ہم ایک خدا کے بندے اور اس کے غلام ہیں۔ اس کی عظمت کا احساس ہمیں غافل اور بے پروا ہونے سے باز رکھے اور اس کی رضا طلبی کا جذبہ ہر آن ہمیں اس بات کا جویا رکھے کہ کس طرح ہمیں زیادہ سے زیادہ کارِ نیک کی توفیق حاصل ہو۔ ہمیں کسی نیک کام کی توفیق حاصل ہو جائے تو ہم خدا کا شکر ادا کریں، مصیبت اور تکلیف کے وقت ہم اس کی رحمت کے طالب ہوں، ہر مصیبت اور مشکل میں اسی کی طرف رجوع کریں، گناہ اور برائی کا کوئی موقع سامنے آئے تو ہم خدا سے ڈر جائیں، ہم سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو فوراً اس سے معافی چاہیں، ہر حاجت اور ضرورت کے وقت اس سے دعا مانگیں، ہر کام خدا کے نام سے کریں، کھانا کھائیں تو خدا کا نام لے کر کھائیں، سونے جائیں تو خدا کو یاد کر کے سوئیں، سو کر اٹھیں تو خدا کا نام لیتے ہوئے اٹھیں، عام حالات میں بھی کسی نہ کسی بہانے سے خدا کا نام زبان پر آتا رہے۔ یہی درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے۔

اسلامی زندگی کا یہ عین تقاضا ہے کہ خدا کی یاد آدمی کی رگ رگ میں رچ بس گئی ہو۔ اس دائمی ذکر کے بغیر ہماری وہ عبادتیں بھی جو مخصوص اوقات میں ادا کی جاتی ہیں کوئی خاص اثر نہیں دکھا سکتیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں صرف ذکر کی نہیں بلکہ ''ذکرِ کثیر'' کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًاۙ (الاحزاب:۴۱)

''اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعہ:۱۰)

''اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

ذکر اللہ کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر پورے دین کو ''ذکرِ رب'' سے تعبیر فرمایا گیا، چنانچہ ارشاد ہے:

وَ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًاۙ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًاۙ

(الجن:۱۶-۱۷)

''اور یہ کہ اگر وہ راہ پر ٹھیک ٹھیک لگ جاتے تو ہم انھیں وافر پانی سے سیراب کر دیتے تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں اور جو کوئی اپنے رب کے ذکر سے منھ موڑے گا تو وہ اسے عذاب میں چڑھاتا چلا جائے گا۔''

ذکر کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کو یاد کرتے رہیں:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ

(الاعراف:۲۰۵)

''اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے رہو، اپنے جی میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے اور دھیمی آواز کے ساتھ اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غافل ہیں۔''

اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کو موجبِ خسران بتایا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (المنافقون:۹)

''اے ایمان والو! تمھارے مال تمھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کریں اور نہ تمھاری اولاد۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو ایسے ہی لوگ خسارے میں پڑنے والے ہیں۔''

اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ (الاحزاب:۳۵)

''اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

فرمایا گیا جو بندے مجھ کو یاد کریں گے میں بھی ان کو یاد کروں گا۔

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (البقرہ:۱۵۲)

''(میرے بندو!) مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور میرے شکر گزار بنو اور احسان فراموشی نہ کرو۔''

ذکر کو اطمینانِ قلب کا موجب بتایا گیا اور بتایا گیا کہ جو اہلِ ایمان ہیں ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (الرعد:۲۸)

''یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ سن رکھو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔''

عبادت سے فراغت کے بعد خاص طور سے ذکر اللہ کی تاکید فرمائی گئی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر اللہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے کسی حالت میں فراغ مطلوب نہیں۔ یہ عبادت ہر وقت جاری رہنی چاہیے اور اس کو مستقل اپنا وظیفۂ حیات بنالینا چاہیے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ ج (النساء:۱۰۳)

''جب تم نماز ادا کرلو تو اللہ کا ذکر کرو (ہر حالت میں) کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے۔''

جمعہ کی نماز کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ (الجمعہ:۱۰)

''پھر جب (جمعہ کی) نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔''

حج کے بارے میں فرمایا گیا:

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ط (البقرہ:۲۰۰)

''پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر کے فارغ ہوجاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسے کہ تم (تفاخر کے طور پر) اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔''

قرآن کی بعض آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اونچے سے اونچے اعمال اور عبادات کی روح اور اس کا مقصد اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ہی ہے۔ مثلاً: نماز کے بارے میں فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ٥ (طٰہٰ:۱۴) ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

مناسکِ حج کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ وَالسَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَ رَمْیُ الْجِمَارِ لِاِقَامَۃِ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

''بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی اور جمرات کی رمی، یہ سب چیزیں اللہ کے ذکر کے لیے مقرر ہوئی ہیں۔''

جہاد کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الانفال:۴۵)

”اے ایمان والو! جب تمھاری مڈبھیڑ (دشمنوں کے) کسی گروہ سے ہوجائے تو (لڑائی میں) ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ امید ہے تم فلاح یاب ہوگے۔“

اہلِ بصیرت کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کا غور وفکر اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ کسی حالت میں اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ کائنات کی ہر چیز انھیں اللہ کی عظمت اور اس کے عدل کی یاد دلاتی رہتی ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(آل عمران:۱۹۰-۱۹۱)

”بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات ودن کے ایک دوسرے کے بعد باری باری آنے میں اربابِ دانش کے لیے نشانیاں ہیں۔ ان (اربابِ دانش) کے لیے جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں): ”ہمارے رب! تو نے یہ سب بیکار نہیں بنایا ہے۔ باعظمت ہے تو! (اے رب!) ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔“

اللہ کا ذکر اور اس کی یاد سارے اعمال کی جان ہے، اس کے بغیر سارے اعمال بے روح ہوجاتے ہیں۔ اس حقیقت کو ایک حدیث میں نبی ﷺ نے یوں واضح فرمایا ہے:

عَنْ مَعَاذِ بْنِ اَنَسِ الْجُھَنِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَہٗ: اَیُّ الْمُجَاھِدِیْنَ اَعْظَمُ اَجْرًا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ اَکْثَرُھُمْ لِلّٰہِ تَعَالٰی ذِکْرًا۔ قَالَ: اَیُّ الصَّائِمِیْنَ اَکْثَرُ اَجْرًا؟ قَالَ: اَکْثَرُھُمْ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ذِکْرًا ثُمَّ ذَکَرَ الصَّلٰوۃَ وَالزَّکٰوۃَ وَالْحَجَّ وَالصَّدَقَةَ کُلَّ ذٰلِکَ یَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَکْثَرُھُمْ لِلّٰہِ ذِکْرًا۔ (مسند احمد)

ترجمہ: معاذ بن انس جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جوان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہے۔ اس نے عرض کیا: روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر پانے والا کون ہے؟ فرمایا: جوان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہے۔ پھر اس شخص نے اسی طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے بارے میں پوچھا اور رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک کا یہی جواب دیا: ''جوان میں اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو۔''

ذکر اللہ کی اہمیت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَ اَرْفَعُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ؟ قَالَ اَلذّٰاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰاکِرَاتِ، قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَ مِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟ قَالَ: لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِہٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَ یَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذّٰاکِرَ لِلّٰہِ اَفْضَلُ مِنْہُ دَرَجَۃً۔

(احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا بندہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن افضل اور بلند مرتبہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اس شخص سے بھی ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرے؟ آپؐ نے فرمایا: ''(ہاں) اگرچہ کوئی اپنی تلوار کفار و مشرکین میں چلائے یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ خود خون سے رنگین ہوگیا پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے مرتبہ میں بہتر ہے۔''

تشریح: ذکر یا اللہ کی یاد، حقیقت میں اسلام کی روح اور غایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی بڑے عمل میں اگر خدا کی یاد، اس کی محبت اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حاصل کرنے کا جذبہ شامل نہ ہو تو اس عمل کا خدا کی نگاہ میں کچھ بھی وزن نہیں ہے۔ اس کے برعکس تھوڑا عمل بھی کامل للّٰہیت کے ساتھ ہو اور اس کا اصل محرک خدا کی یاد اور اس کی محبت ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس عمل کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ کے ذکر کو ہر چیز کے مقابلے میں اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ قرآن

میں ارشاد ہوا ہے: وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (العنکبوت:۴۵) ''اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔'' اسلام میں اونچے سے اونچے اعمال کی روح اور غایت، ذکر اللہ ہی ہے۔ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ:۱۴) ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔'' جہاد کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال:۴۵) ''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمھاری مڈبھیڑ ہو تو (لڑائی میں) جمے رہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔'' کوئی بھی عمل ہو اس میں جان اللہ کی یاد سے ہی پڑتی ہے۔

حضرت ابودرداءؓ، کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اَلَاۤ اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَ اَذْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَارْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِّنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرَقِ وَ خَیْرٍ لَّکُمْ مِّنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَ یَضْرِبُوْۤا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا: بَلٰی، قَالَ: ذِکْرُ اللّٰہِ۔ ''کیا میں تمھیں بتاؤں۔ تمھارے وہ اعمال جو بہترین اور پاکیزہ ہیں تمھارے بادشاہ کے نزدیک، اور بلند ہیں تمھارے درجات میں اور تمھارے لیے بہتر ہیں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے اور تمھارے لیے بہتر ہیں اس سے کہ تمھاری اپنے دشمن سے مڈبھیڑ ہو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ''وہ اللہ کا ذکر ہے۔'' یعنی انفاق اور جہاد وغیرہ سے ذکر اللہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسِیْرُ فِیْ طَرِیْقَۃِ مَکَّۃَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُّقَالُ لَہٗ جُمْدَانُ، فَقَالَ سِیْرُوْا ھٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ، قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستے پر جا رہے تھے۔ آپؐ ایک پہاڑ پر سے گزرے جسے جمدان کہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: چلو یہ جمدان ہے ''مفردون'' سبقت لے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ ''مفردون'' کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔''

تشریح: جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینے کے قریب ایک روز کی مسافت پر ہے۔ اس

کے پاس کوئی دوسرا پہاڑ نہیں ہے۔ اس پہاڑ کو دیکھ کر آپؐ نے ایک بڑی چیز کی ترغیب دی یعنی جس طرح یہ پہاڑ تنہا ہے اسی طرح خدا کو یاد کرنے والے لوگ بھی تنہا ہوتے ہیں جب وہ رات کی تنہائیوں میں خدا کو یاد کر رہے ہوتے ہیں۔

''مفردون'' کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ، اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی روح کی غذا خدا کی یاد ہے جو سب طرف سے کٹ کر ایک خدا کے ہو گئے ہوں، جن کا قبلۂ مقصود خوشنودی رب کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں، لغو اور لایعنی کاموں سے جنھوں نے اپنے کو آزاد کر لیا ہو۔ یہی مقامِ تفرید ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے ''تبتل'' سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً ''اور اپنے رب کا نام لو اور سب کچھ چھوڑ کر اسی کی طرف لگ جاؤ۔''

ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''مفردون'' وہ ہیں جو خدا کی یاد کے حریص اور اس پر فدا ہیں۔ یادِ الٰہی ان کے گناہوں کے بوجھ کو اتار ڈالے گی اور وہ قیامت میں ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُسْرٍؓ قَالَ: جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ فَقَالَ طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَ حَسُنَ عَمَلُہٗ، قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَ لِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔

(احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسرؓ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: کون سا آدمی بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مسرت (اور خوشخبری) اس کے لیے جس نے لمبی عمر پائی اور اچھے کام کیے۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا عمل بہتر ہے۔ فرمایا: ''یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔''

تشریح: یعنی تو خدا کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ یہاں تک کہ تیری موت آجائے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَ تَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ۔

(بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر سے حرکت کرتے ہیں۔''

تشریح: یعنی کوئی بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو اسے میری معیت، میرا قرب اور میرا تعاون حاصل ہوتا ہے۔ میں اپنے ایسے بندے کی طرف سے غافل نہیں ہوتا۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ وَ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَ غَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَ ذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازماً فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ ان (فرشتوں) میں ان کا ذکر کرتا ہے جو اس کے قریب ہیں۔''

تشریح: بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی جانب سے کچھ فرشتے اسی کام کے لیے مقرر ہیں کہ وہ ان لوگوں کی تلاش میں رہیں جو خدا کا ذکر کرتے ہوں۔ جب وہ کسی جگہ ذکر کرنے والوں کو پا لیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو پکارتے ہیں کہ آؤ جس چیز کی ہمیں تلاش تھی وہ یہاں موجود ہے۔ پھر وہ ذکر کرنے والوں کو اپنے پروں سے ڈھک لیتے ہیں اور آسمانِ دنیا تک پھیل جاتے ہیں۔

خدا کا ذکر کرنے والوں کو خدا کی رحمت گھیر لیتی ہے۔ وہ خدا کی خصوصی رحمت کے مستحق ہوجاتے ہیں اور خدا انھیں اطمینان اور سکون کی دولت سے نوازتا ہے، شبہات اور ترددات انھیں نہیں ستاتے، انھیں کامل یقین اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ان کے لیے خدا کی طرف سے خصوصی عطیہ ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی اس خصوصی نعمت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ دیکھیے سورۃ التوبہ: ۲۶-۱، الفتح: ۴، ۲۶۔

بندے کے لیے یہ کتنے بڑے شرف کی بات ہے کہ اس کا رب اپنے یاد کرنے والے کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان فرمائے۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ

اللّٰهِ فَاِنَّ کَثْرَةَ الْکَلَامِ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ وَ اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ بغیر اللہ کے ذکر کے کلام کی کثرت دل کے لیے قساوت ہے اور لوگوں میں اللہ سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کے دل میں قساوت ہے۔''

تشریح: سوز و گداز، نرمی اور لطافتِ احساس درحقیقت دل کے بنیادی اوصاف ہیں۔ ان اوصاف کو باقی رکھنے اور انھیں نشو و نما دینے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔ اس کی گفتگوئیں خدا کے ذکر سے خالی نہ ہوں۔ آدمی کا دل اس کے ہر قول و عمل کے اثر کو قبول کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص خدا سے غافل ہو کر اس کے ذکر کے بغیر کثرت سے زبان چلاتا رہے گا تو اس کے دل پر لازماً برا اثر پڑے گا۔ جس کا دل سخت اور بے نور ہو جائے وہ خدا کی عنایات کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے۔ آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی گفتگوؤں میں خدا کے ذکر کو شامل رکھے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَّ مَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے ایک نشست ایسی گزاری جس میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا اس پر اللہ کی طرف سے تباہی مسلط ہو گئی اور جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے خدا کو یاد نہیں کیا اس پر خدا کی طرف سے تباہی مسلط ہو گئی۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل ہونا اپنی حقیقت کے لحاظ سے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جو شخص خدا کی یاد سے غافل ہو گیا وہ گویا لٹ گیا۔ مومن کی زندگی کی ساری رونق اور بہار خدا کے ذکر اور اس کی یاد سے ہے۔ خدا کے خوف اور اس کی یاد اور محبت سے وہ اپنے دل کو معمور رکھتا ہے۔ اس کی عظمت کا احساس اس کو ہر وقت باادب رکھتا ہے اور اس کی محبوبیت اسے ہر وقت اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ خدا کو بھول جانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ

آدمی نے اپنی متاعِ عزیز کو کھو دیا۔ اس نے اپنے چمن زار کو اجاڑ دیا۔ آج اگر اسے اس کا احساس نہیں ہوتا ہے تو کل قیامت میں اسے اس کا احساس یقیناً ہوگا۔ اس وقت وہ کہے گا: کاش وہ زندگی کے کسی بھی لمحہ کو ضائع نہ کرتا تو کتنا اچھا ہوتا!

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ قَوْمٍ یَّقُوْمُوْنَ مِنْ مَّجْلِسٍ لَّا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ فِیْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِ جِیْفَةِ حِمَارٍ وَ کَانَ عَلَیْهِمْ حَسْرَةٌ یَّوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (ابوداؤد، حاکم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ کسی ایسی مجلس سے اٹھیں جس میں انھوں نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو گویا یہ لوگ مردار گدھے کی نعش چھوڑ کر اٹھے ہیں اور یہ ان کے لیے قیامت کے روز حسرت ہوگی۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خدا کی یاد اور اس کے ذکر کے بغیر اگر کوئی مجلس برخاست ہوگئی تو گویا آدمی نحوست و وحشت کے مقام کے سوا کسی دوسری جگہ سے نہیں اٹھا ہے۔ اس نے وہاں سے اپنے لیے حسرت سمیٹی ہے۔ فرحت اور مسرت کا سامان نہیں کیا ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک عظیم حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کی یاد اور اس کا ذکر ہی حقیقی زندگی ہے۔ خدا سے غافل شخص زندگی سے محروم ہے۔ خدا ہی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی یاد سے آدمی کو حقیقی زندگی میسر آتی ہے۔ حقیقی زندگی اس کے سوا اور کیا ہے کہ آدمی اپنے خدا کو پالے اور دل و جان سے اس سے محبت کرنے لگے۔ انبیاء جس ہدایت سے سرفراز ہوتے ہیں وہ اسی زندگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ توریت میں ہے: ”انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔“ یعنی خدا کے نازل کردہ احکام کے ذریعہ سے ہی آدمی حقیقی زندگی سے آشنا ہو سکتا ہے۔ انجیل برناباس کا یہ فقرہ کتنا قابلِ قدر ہے ”بدن کھانے سے جیتا ہے۔ اور نفس علم و محبت سے زندگی پاتا ہے۔“ (۱۱:۱۰۶) یوحنا

کی انجیل میں ہے: ’’خدا کی روٹی وہ ہے جو آسمان سے اتر کر دنیا کو زندگی بخشتی ہے۔‘‘ (۲۷:۶)
حضرت مسیحؑ دعا فرماتے ہیں: ’’ہماری روز کی روٹی (Daily Bread) ہمیں روز دیا کر۔‘‘ (متی ۱۲:۶)
حضرت مسیحؑ تمثیلوں میں باتیں کرتے تھے۔ روٹی سے ان کی مراد یہاں وہی چیز ہے جس سے آدمی کو حقیقی زندگی میسر آتی ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَاط (الانعام:۱۲۲) ’’کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس کے لیے روشنی کر دی جس کو لیے ہوئے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو، ان سے نکلنے والا ہی نہ ہو۔‘‘ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کو جو زندگی حاصل ہوتی ہے غیر اہلِ ایمان اس سے محروم ہوتے ہیں۔

خدا کا ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید چونکہ حقیقی حیات کا سبب بلکہ انسان کے لیے ان کو عین حیات کی حیثیت حاصل ہے، اسی لیے جنت کی زندگی میں خاص طور سے یہ چیز اہل جنت کو غذائے روحانی کے طور پر ٹھیک اسی طرح حاصل ہوگی جس طرح کہ بلا کسی زحمت اور تکلیف کے ہم سانس لیتے ہیں۔ سانس لینے کے عمل میں دوسری کوئی چیز حارج اور مانع بھی نہیں ہوتی۔ ہم کوئی بھی کام کر رہے ہوتے ہیں سانس کا عمل برابر جاری رہتا ہے، ٹھیک اسی طرح تسبیح و تحمید میں کوئی بھی چیز رکاوٹ نہیں بنے گی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفْسَ (مسلم، ابوداؤد عن جابرؓ) ’’اہل جنت کو تسبیح اور تحمید کا الہام ہوتا رہے گا جیسے سانس کا الہام ہوتا ہے۔‘‘

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ’’اگر میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھوں جو فجر کی نماز سے طلوعِ آفتاب تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ مجھے اولادِ اسماعیلؑ میں سے چار غلاموں کو آزاد کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے اور اگر میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز سے غروبِ آفتاب تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔‘‘ (ابوداؤد) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ذکر آپؐ کے لیے محض ایک فریضہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ آپؐ کے نزدیک اسے محبوب ترین شے اور غذائے روح ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

ذکر کے بعض پاکیزہ کلمات

(۱) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (مسلم)

ترجمہ: سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام کلموں میں یہ چار افضل ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔''

تشریح: ''سبحان اللہ'' یہ کلمۂ تسبیح ہے۔ اس تسبیح کا مقصود خدا کی عظمت اور برتری کا اقرار و اظہار ہے۔ قرآنِ کریم نے اپنی سات سورتوں کو کلمۂ تسبیح سے شروع کیا ہے جیسے سورۃ الحدید اس آیت سے شروع ہوتی ہے۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ ''اللہ کی تسبیح کی ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔'' ایسا کلمہ جس سے خدا کی برتری اور عظمت کا اظہار ہو، ظاہر ہے، حقیقت کی نگاہ میں وہ ایک افضل اور بہترین کلمہ قرار پائے گا۔

''الحمدللہ'' (حمد اللہ کے لیے ہے) کلمۂ تحمید ہے یعنی خدا کی حمد وستائش کا کلمہ ہے۔ قرآنِ کریم کا افتتاح کلمۂ تحمید ہی سے ہوا ہے۔ کسی بندے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سا شرف ہوسکتا ہے کہ اس کی زبان سے اپنے رب کی حمد وستائش کا کلمہ ادا ہو۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کے احسانات کی شکرگزاری کا بھی اس سے بہتر طریقہ دوسرا نہیں ہوسکتا کہ ہم دل اور زبان سے اس کی خوبیوں اور کمالات کا اعتراف کریں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ رَاسُ الشُّكْرِ۔ پھر کلمۂ تحمید کو دعا بھی فرمایا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: اَفْضَلُ الدُّعَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بظاہر اس کلمہ میں طلب وسوال نہیں ہے لیکن حمد وشکر پر اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ بندہ پر مزید نوازش فرمائے گا۔ (سورۂ ابراہیم: ۷) اس لیے اس کلمہ کو ایک بہترین دعا بھی کہا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح مجرد اللہ کی یاد کو ذکر نہیں کہتے جب تک کہ اس کے ساتھ اللہ کی محبت نہ ہو ٹھیک اسی طرح محض اللہ کی تعریف کا نام حمد نہیں ہے، اس کے ساتھ محبتِ الٰہی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو الفوائد لابن القیم ص ۱۸۳ اور محبت، طلب کی بہترین قسموں میں سے ہے۔

کلمۂ حمد کی فضیلت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ کائنات کی ہر شے

خدا کی حمد و ستائش میں لگی ہوئی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۴۴) تخلیقِ کائنات اور کائنات کے ہر قانون سے خدا کے جمال و کمال ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ اہلِ جنت کی بھی آخری پکار کلمۂ تحمید ہوگا (سورۂ یونس: ۱۰)

لا الٰہ الا اللہ ''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں'' یہ کلمۂ توحید ہے۔ یہ کلمہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی خدا اور خدائی صفت سے متصف نہیں، اس کے سوا جو ہیں اسی کی مخلوق اور بندے ہیں۔ خدا کے سوا کوئی نہیں جس کو حاکمِ مطلق اور معبود تسلیم کیا جائے۔ آدمی کا فرض ہے کہ وہ ایک خدا کا بندہ بن کر رہے۔ اپنے جذباتِ عبودیت کو اسی کے حضور میں پیش کرے۔ خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کو آدمی اپنا معبود، اپنی تمام تر آرزوؤں کا مرکز اور اپنا حاکم و آقا بنائے۔ توحید کی تعلیم پچھلی کتابوں میں بھی ملتی ہے مثلاً: ''سن اے بنی اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا اور گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اٹھتے وقت ان کا ذکر کیا کرنا۔'' (استثنا ۶: ۴-۹) ایک دوسری جگہ آیا ہے: ''تجھ کو کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرنی ہوگی۔ اس لیے کہ خداوند جس کا نام غیور ہے وہ خدائے غیور ہے بھی۔'' (خروج ۳۴: ۱۴) ایک دوسری جگہ کہا گیا ہے: ''تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو آسمان یا زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں'' (خروج ۲۰: ۵۴)

اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) یہ کلمۂ تکبیر ہے۔ اس کلمہ سے خدا کی بڑائی کا اظہار مطلوب ہے۔ سب خدا کی مخلوق ہیں۔ خدا سے بڑی ہستی کسی کی نہیں ہے۔ یہ چاروں کلمات سبحان اللہ، الحمد للہ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اللہ کی حمد وثنا پر مشتمل ہیں اور خدا کی عظمت وجلال اور اس کی توحید کا جامع اظہار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثوں میں ان کلموں کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے بلکہ یہاں تک بیان فرمایا گیا ہے کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کے درخت اور باغات یہی کلمات ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ (مسلم) ''میرا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا میرے نزدیک ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے محبوب یہ کلمات ہیں)''

〈۲〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰی شَجَرَةٍ یَّابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ: اِنَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ کَمَا یَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے خشک تھے۔ آپؐ نے اس پر اپنا عصا مارا تو پتے جھڑ پڑے۔ آپؐ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ گناہوں کو اسی طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔''

تشریح: آدمی اگر شعور کے ساتھ ان کلمات کو پڑھے تو اس کے فکر و عمل میں عظیم انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور اس کی ساری خطاؤں اور غفلتوں کی تلافی ہوسکتی ہے۔ آدمی کی زندگی کو بدلنے اور اس کو پاکیزگی بخشنے کے لیے یہ کلمات کافی ہیں۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّ الْکَلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: مَا اصْطَفَی اللّٰهُ لِمَلٰٓئِکَتِهٖ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ''۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کلام افضل ہے؟ فرمایا: ''جس کو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ یعنی'' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔''

تشریح: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ (ہم اللہ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں) کا مطلب وہی ہے جو سبحان اللہ والحمد للہ کا ہے۔ اس کلمہ کی معنوی عظمت و اہمیت کے پیش نظر اس کو بہترین کلمات میں شمار فرمایا گیا اور اس کو خاص طور سے فرشتوں کا وظیفہ قرار دیا گیا۔ ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جس شخص نے روزانہ سو دفعہ ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' کہا اس کی خطائیں معاف کردی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ شعور کے ساتھ جو شخص دن میں کئی بار اس

پاکیزہ کلمہ کو پڑھے گا، یہ ممکن نہیں کہ یہ کلمہ اس کی زندگی پر اثر انداز نہ ہو اور اس کی سیرت کو بدل کر نہ رکھ دے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو کلمے ہیں زبان پر ہلکے پھلکے، میزان میں بہت بھاری، خداوند مہربان کو بہت پیارے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔''

تشریح: یہ کلمے اللہ کو بہت ہی پسند ہیں۔ یہ کلمے نیکی کے پلڑے کو بہت زیادہ جھکانے والے ہوں گے اور پھر ان تمام خوبیوں کے باوجود نہ ان کلموں کو پڑھنا کچھ مشکل ہے اور نہ ان کو یاد رکھنا کوئی دشوار کام ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی اِلَی الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الَّذِیْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جن کو سب سے پہلے قیامت کے دن جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ، وہ لوگ ہوں گے جو خوشی اور تکلیف وغم ہر حالت میں خدا کی حمد کرتے ہیں۔''

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْحَمْدُ رَاْسُ الشُّکْرِ مَا شَکَرَ اللّٰہَ عَبْدٌ لَّا یَحْمَدُہٗ۔ (البیہقی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حمد بنیاد ہے شکر کی۔ جس بندے نے خدا کی حمد وستائش نہیں کی، اس نے شکر ادا نہیں کیا۔''

﴿۷﴾ عَنْ مَعَاذِ بْنِ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اللّٰہَ لَیَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّاْکُلَ الْاُکْلَۃَ فَیَحْمَدُہٗ عَلَیْھَا اَوْ یَشْرَبَ الشُّرْبَۃَ فَیَحْمَدُہٗ عَلَیْھَا۔ (مسلم، ترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا ایسے بندے سے خوش رہتا ہے جو کھانا کھا کر خدا کی حمد کرے اور پانی پی کر خدا کی حمد وستائش کرے۔''

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلاَ اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَۃٍ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ؟ فَقُلْتُ: بَلٰی، فَقَالَ: لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ۔
(مسلم وبخاری)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمھیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟“ میں نے عرض کیا۔ ہاں، ضرور بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ”لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ۔“

تشریح: لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ ”ایک حالت کا دوسری حالت میں بدلنا اور اس کی قوت ملنا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔“ خدا کی مدد شامل حال نہ ہو تو کسی تدبیر سے انسان برائیوں اور گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور اگر خدا اسے قوت و طاقت نہ دے تو انسان کے بس میں نہیں کہ وہ خدا کی طاعت و بندگی کا فریضہ انجام دے سکے۔ اس کلمہ کا حاصل یہ ہے کہ آدمی ساری قوتوں کا سرچشمہ خدا ہی کو سمجھے۔ اپنی ذاتی قوت سے کوئی کسی چیز پر حاوی اور غالب نہیں ہوسکتا۔ اس کلمہ کو اگر شعور کے ساتھ پڑھا جائے تو آدمی پر اپنی بے چارگی۔ اور بے بسی منکشف ہوگی۔ غرور و تکبر ختم ہوجائے گا، اپنی ذات پر یا کسی دوسرے پر بھروسہ کرنے کے بجائے وہ ہمیشہ خدائے واحد پر بھروسہ رکھے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ بندہ یہ کلمہ پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے: اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ بیہقی ”میرا بندہ مطیع وفرماں بردار بن گیا، اس نے راہ تسلیم ورضا اختیار کرلی۔“

〈۹〉 عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ، وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ کَانَ کَمَنْ اَعْتَقَ اَرْبَعَۃَ اَنْفُسٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے دس بار لَآ اِلٰـہَ ـــ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ بادشاہی اور فرماں روائی اسی کی ہے۔ وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) پڑھا وہ اس شخص جیسا ہوگا جس نے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے چار غلام آزاد کیے۔“

تشریح: غلام آزاد کرنا یوں بھی بہت بڑا کارِ ثواب ہے اور اگر وہ غلام کسی پیغمبر کی اولاد میں ہوں تو انھیں آزاد کرنے کا جو اجر و ثواب ہوگا ظاہر ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاءُ الْمِیْزَانَ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ "الحمد للہ" میزان کو بھر دیتا ہے اور "سبحان اللہ والحمد للہ" آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔"

تشریح: یعنی صفائی ستھرائی ایمان کے تقاضوں میں ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے لباس اور جسم کو ہی نہیں بلکہ اپنے باطن کو بھی پاک وصاف رکھے، جس نے برے خیالات اور غلط عقائد سے اپنے کو محفوظ رکھا، اپنے ظاہر کو پاک وصاف رکھا اس نے گویا ایمان کی تکمیل کرلی۔

سبحان اللہ الحمد للہ ایسے پاکیزہ کلمات ہیں کہ ان کی برکات اور اجر وثواب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ: جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فَقَالَ عَلِّمْنِیْ کَلَامًا اَقُوْلُهٗ، قَالَ: قُلْ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کَثِیْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ، قَالَ: فَهٰٓؤُلَاءِ لِرَبِّیْ، فَمَا لِیْ؟ قَالَ: قُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی عرب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا (یا رسول اللہ!) مجھے کسی ایسے کلام کی تعلیم دیجیے جسے میں پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا: کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ "اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے، زیادہ سے زیادہ حمد وستائش کا مستحق اللہ ہے۔ اللہ رب العالمین باعظمت ہے۔ کسی حالت کا بدلنا اور اس کی قوت [illegible] کے بغیر ممکن نہیں، جو عزت وغلبہ والا اور ذی حکمت ہے۔" دیہاتی نے عرض کیا: یہ سب [illegible] رب کے لیے ہوئے میرے لیے کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ـــ وَارْزُقْنِیْ "اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا کر۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی حمد و ستائش کے ساتھ ساتھ اس سے اپنے لیے مغفرت و رحمت اور حلال رزق کی دعا بھی کر سکتے ہو۔ اس سے ظاہری و باطنی ہر طرح کی بھلائی اور خیر طلب کر سکتے ہو۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَفَلَ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَلَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا قَالَ الْغَزْوِ يَقُوْلُ كُلَّمَا يَرْقٰى عَلٰى ثَنِيَّةٍ اَوْ فَدْ فَدٍ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب حج یا عمرہ سے واپس ہوتے اور میرا گمان ہے کہ انھوں نے جہاد سے واپسی کا نام لیا تھا تو آپؐ جب کسی اونچی پہاڑی یا ٹیلہ پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے اور اس کے بعد فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم اس حال میں آ رہے ہیں کہ ہم توبہ کرنے والے، عبادت گزار اور سجدہ کناں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اس نے جماعتوں کو تنہا بھگا دیا۔''

تشریح: آپؐ بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے۔ ہر بلندی آپؐ کو خدا کی بڑائی اور عظمت کی یاد دلاتی۔ ایک طرف آپؐ خدا کی حمد و ثنا کرتے دوسری طرف اپنی عبدیت اور فداکاری کا اظہار فرماتے۔ زندگی کا اس سے حسین اور دل کشا منظر ممکن نہیں۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى امْرَاَةٍ وَّ بَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى اَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ بَيْنَ ذٰلِكَ وَ سُبْحَانَ

اللّٰہِ عَدَدَ مَا ھُوَ خَالِقٌ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ مِثْلَ ذَالِکَ وَالْحَمْدُ مِثْلَ ذَالِکَ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِثْلَ ذَالِکَ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مِثْلَ ذَالِکَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک خاتون کے گھر گئے۔ ان خاتون کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان پر تسبیح پڑھتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”میں تمھارے لیے اس سے زیادہ آسان یا افضل چیز نہ بتاؤں۔ پھر فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَآءِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ مَا خَلَقَ بَیْنَ ذٰلِکَ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ مَا ھُوَ خَالِقٌ (تسبیح کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کے شمار کے مطابق جو آسمان میں پیدا کی ہیں، تسبیح کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کے شمار کے مطابق جو زمین میں پیدا فرمائی ہیں، تسبیح کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کے شمار کے مطابق جو ان (آسمان و زمین) کے درمیان پیدا کی ہیں اور تسبیح کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کے شمار کے مطابق جن کا وہ خالق ہے)۔ اسی طرح اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اسی طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اسی طرح لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اسی طرح لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (بھی پڑھے)۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثیر تعداد میں بظاہر کوئی تسبیح نہ بھی پڑھے، ذکر و تسبیح کی کثرت کی روح اگر موجود ہے تو وہ کافی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی تعداد مقرر کر کے تسبیح پڑھنی درست نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ دین کوئی ظاہر پرستی نہیں ہے آدمی کی توجہ ہمیشہ دین کی اصل روح اور غایت کی طرف ہونی چاہیے۔ خود نبی ﷺ کو دیکھا گیا کہ آپؐ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح شمار کر کے پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے عورتوں کو تکبیر، تقدیس اور تہلیل (اللہ اکبر، سبحان الملک القدوس، لا الٰہ الا اللہ) کی محافظت اور انگلیوں کے پوروں سے تسبیح کو شمار کرنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد)

اعتدال کی راہ

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتَّوَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعٍ وَّ عِشْرِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: عبداللہ بن سرجس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’حسن کردار (نیک چال چلن) بردباری اور اعتدال ومیانہ روی، نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔‘‘

تشریح: یعنی یہ اوصاف معمولی اور کم درجہ کے نہیں ہیں۔ ان اوصاف کو انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ جو شخص جس قدر اپنی سیرت وکردار میں ان اوصاف کو جگہ دے گا وہ اسی قدر فیضانِ نبوت سے فیض یاب سمجھا جائے گا۔

اعتدال ومیانہ روی زندگی کے ہر معاملہ میں مطلوب ہے۔ دانش مند وہی ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں افراط وتفریط کے بجائے معتدل طرزِ عمل اختیار کرے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَ شَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’دین آسان ہے اور دین سے جب بھی کسی نے زور آزمائی کی اور اس میں شدت اختیار کی دین نے اسے ہرا دیا۔ پس میانہ روی اختیار کرو اور یہ سہولت دینی امور (اور خدا) کے قریب آؤ اور خوشخبری لو اور صبح وشام اور کچھ رات کے حصہ سے مدد حاصل کرو۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دین آدمی کے لیے مصیبت بن کر نہیں اترا ہے۔ دین درحقیقت زندگی کے صحیح اور فطری طرزِ عمل کا نام ہے۔ فطرت کی راہ پر چلنا ہی آدمی کے لیے آسان ہے الآیہ

کہ کوئی اپنی فطرت ہی کا باغی ہو جائے۔ کم فہمی، ناعاقبت اندیشی اور دوسرے غلط محرکات کی بنا پر اکثر ایسا ہوا ہے کہ آسان اور فطری دین کو لوگوں نے اپنے لیے مصیبت بنالیا اور اپنی خود ساختہ دشواریوں کو مذہب کی طرف منسوب کر دیا۔

اس حدیث سے جو بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے وہ یہی کہ دین میں تمھارے لیے معتدل طرزِ عمل پسند کیا گیا ہے جس کو تم اختیار کر سکو اس لیے دین میں غلو اور شدت پسندی سے ہرگز کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی طرف سے کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جو اعتدال سے ہٹا ہوا ہو، زندگی کے توازن کو برقرار رکھو، ہر ذمہ داری کو ملحوظ رکھو، صبح و شام اللہ کی عبادت کرو اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کے حضور میں کھڑے ہو۔ اس طرح اپنے لیے وہ قوت فراہم کرتے رہو جس سے تمھارے لیے سفرِ حیات کی دشواریاں آسان ہو جائیں اور تم خوشی اور مسرت کے ساتھ کامیابی سے ہم کنار ہو سکو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۵) ’’اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمھارے لیے سختی نہیں چاہتا۔‘‘

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ السَّوَائِیِّ قَالَ: كُنْتُ اُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم الصَّلَوَاتِ، فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَ خُطْبَتُهٗ قَصْدًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوعبداللہ جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک تھا، آپؐ کی نماز بھی اعتدال کے ساتھ تھی اور آپؐ کا خطبہ بھی اعتدال کے ساتھ تھا۔‘‘

تشریح: یعنی نہ تو آپؐ نے بہت لمبی نماز پڑھائی اور نہ بہت مختصر۔ یہی حال آپ کے خطبہ کا بھی تھا۔ خطبہ میں ایسی طوالت نہ تھی کہ سامعین گھبرا جائیں۔

〈۴〉 وَ عَنْ عَمَّارٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَ قِصَرَ خُطْبَتِهٖ مِئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَ اَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ وَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ’’کسی شخص کی نماز کی طوالت اور اس کے خطبہ کا اختصار اس کے فقیہ (دین کا فہم رکھنے والا) ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا نماز کو لمبی کرو اور خطبہ کو مختصر رکھو۔ یقیناً بعض خطبے جادو ہوتے ہیں۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خطبہ بہت لمبا نہیں ہونا چاہیے۔ خطبہ کے مقابلہ میں نماز لمبی ہونی چاہیے۔ یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہوگی کہ آدمی نماز تو بہت ہی مختصر پڑھائے مگر خطبہ اس کا بہت لمبا ہو۔

بعض خطبے ایسے بلیغ ہوتے ہیں جن میں جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔ خطبہ کا اختصار اس کی اثر انگیزی کو کم نہیں کرتا بلکہ اس سے اس کی اثر انگیزی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: بَیْنَا النَّبِیُّ ﷺ یَخْطُبُ اِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَاَلَ عَنْہُ فَقَالُوْا: اَبُوْ اِسْرَآئِیْلَ نَذَرَ اَنْ یَّقُوْمَ فِی الشَّمْسِ وَلاَ یَقْعُدَ وَلاَ یَسْتَظِلَّ وَلاَ یَتَکَلَّمَ وَ یَصُوْمَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مُرُوْہُ فَلْیَتَکَلَّمْ وَلْیَسْتَظِلَّ وَلْیَقْعُدْ وَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ خطاب فرما رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ آپؐ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا: لوگوں نے عرض کیا: یہ ابواسرائیل ہیں۔ انھوں نے نذر مانی ہے کہ وہ دھوپ میں کھڑے رہیں گے نہ بیٹھیں گے اور نہ سایہ لیں گے، نہ بات چیت کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: ان سے کہو: ”بات چیت کریں، سایہ لیں، بیٹھیں اور روزہ پورا کریں۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دین و شریعت سے مقصود آدمی کی جسمانی تعذیب اور نفس کشی ہرگز نہیں ہے۔ اسلام میں جو چیز مطلوب ہے وہ ہے تزکیۂ نفس اور انضباطِ نفس نہ کہ نفس کشی۔ خواہشاتِ نفس پر قابو پانے کے لیے روزہ کافی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے غلط اور غیر شرعی قسم کی کوئی نذر اور منت مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ہرگز واجب نہیں ہے بلکہ اس کا نہ کرنا ضروری ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَ اِنْ قَلَّ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔“

تشریح: عمل پر مداومت اختیار کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ مومن کا ہر نیک عمل اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو اس کو اپنے رب سے ہوتا ہے۔ کسی نیک عمل کو اختیار کر کے اسے چھوڑ دینے کے معنی صرف اس عمل کو چھوڑ دینا نہیں ہے بلکہ اس سے اس تعلق کو بھی صدمہ پہنچتا ہے جو آدمی کو اپنے رب سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے یہ چیز کبھی بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی کہ آدمی کے اس تعلق اور نسبت میں کسی قسم کی کمی پیدا ہو جو اس نے اپنے رب سے قائم کی ہو۔ عمل پر مدامت اسی وقت ممکن ہے جبکہ آدمی

کا شعور بیدار ہو اور وہ عبادت و اعمال میں معتدل طرزِ عمل اختیار کرے، اتنا ہی بوجھ اٹھائے جتنا وہ اٹھا سکتا ہو، اعتدال کے راستے کو اختیار کر کے وہ اپنی زندگی میں بھی توازن پیدا کر سکتا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا وَ عِنْدَهَا امْرَاَةٌ قَالَ: مَنْ هٰذِهٖ؟ قَالَتْ هٰذِهٖ فُلَانَةٌ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ: مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ. فَوَ اللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَ كَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَاوَمَ صَاحِبُهٗ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ان کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی، اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ فلاں خاتون ہیں اور ان کی نماز کا بہت چرچا ہے (یہ نمازیں زیادہ پڑھتی ہیں) آپؐ نے فرمایا: ''رُک جاؤ! تم پر اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی تم میں طاقت ہو۔ اللہ نہ اکتائے گا جب تک تم نہ اکتاؤ۔ اللہ کو وہی دین و طاعت زیادہ محبوب ہے جس پر اس کا اختیار کرنیوالا مداومت اختیار کرے۔''

تشریح: آدمی کی وہی طاعت و بندگی اور عبادت خدا کے نزدیک پسندیدہ اور حقیقت کی نگاہ میں معتبر ہے جو محض وقتی اور چند روزہ نہ ہو بلکہ وہ اس کی زندگی میں شامل ہو گئی ہو۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا: وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَ رُوْحُوْا وَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔'' لوگوں نے عرض کیا: کیا آپؐ کو بھی نہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا: ''مجھ کو بھی نہیں سوائے اس کے کہ مجھے اللہ اپنی رحمت میں چھپا لے۔ لہٰذا میانہ روی اختیار کرو اور بہ سہولت دینی امور (اور خدا) کے قریب آؤ اور صبح و شام اور کچھ رات کے حصہ میں (عبادت کرو) میانہ رفتار سے چلتے رہو، منزلِ مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔''

تشریح: یعنی آدمی کو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اپنے عمل کے بل پر جنت میں داخل ہوگا۔ طاعت و بندگی کا حق کس سے ادا ہو سکا ہے۔ آدمی کے لیے صحیح طرزِ عمل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی میں اعتدال کی روش اختیار کرے اور خدا کی رحمت و مغفرت پر بھروسہ رکھے۔ یقیناً خدا کی رحمت شاملِ حال ہوگی، اور وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ فَتِلْکَ بَقَایَا هُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارِ رَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''تم اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ پھر اللہ بھی تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم نے اپنے آپ پر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی اس پر سختی کی۔ یہ جو لوگ صومعوں اور دیار میں پائے جاتے ہیں یہ انھی کی یادگار اور بقایا ہیں۔ رہبانیت انھوں نے خود نکالی تھی۔ ہم نے (خدا نے) اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔''

تشریح: دیکھیے قرآن سورۃ الحدید: ۲۷۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو احکام بھی دیئے ہیں وہ فطری اور قابلِ عمل ہیں۔ تم خود اپنے لیے پابندیاں اور سختیاں نہ ایجاد کرو۔ اس سے پہلے ایک قوم (یہود و نصاریٰ) نے دینِ فطرت کی خلاف ورزی کی اور اپنے لیے طرح طرح کی سختیاں اور مشقتیں گھڑ لیں تو خدا نے بھی اس کے ساتھ سختی فرمائی۔ یہ رہبانیت اور ویراگ کی رسم عیسائیوں نے خود ایجاد کی تھی۔ اس کا حکم خدا نے انھیں نہیں دیا تھا۔ آج بھی دیر اور صومعہ میں جو لوگ پائے جاتے ہیں وہ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ فطری اور متوازن دین پر عمل پیرا ہوں۔ ان لوگوں کی روش ہرگز اختیار نہ کریں جنھوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی۔ زندگی کے فطری راستے سے ہٹ گئے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الدِّیْنَ مَتِیْنٌ فَاَوْغِلُوْا فِیْهِ بِرِفْقٍ وَلَا تُبَغِّضُوْا اِلٰی اَنْفُسِکُمْ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰی (قال العِرَاقی فی تخریج الْاَحیَاء رواه احمد من حدیث انس والبیهقی ن حدیث جابرؓ) ''یہ دین موزوں اور مضبوط ہے، اسے نرمی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرو (خواہ مخواہ کی سختیاں ایجاد کر کے) خدا کی عبادت سے اپنے دل متنفر نہ کرو کیونکہ زیادہ تیز رو مسافر نہ سفر طے کر پاتا ہے اور نہ سواری بچ پاتی ہے (یعنی وہ اپنی سواری کو ہلاک کر دیتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچ بھی نہیں پاتا۔)''

آئینۂ حقیقت

﴿۱﴾ عَنْ اِبْنِ عَائِذٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا عُمَرُ اِنَّکَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَ لٰکِنْ تُسْئَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عائذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! تم سے سوال لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں بلکہ سوال فطرت (اسلام) کے بارے میں ہوگا۔''

تشریح: یہ ایک لمبی روایت کا ایک حصہ ہے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے جنازے کے ساتھ نبی ﷺ چلے۔ جنازہ رکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، یہ فاجر تھا۔ حضورؐ نے لوگوں کی طرف نگاہ کی اور فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اسے اسلام کا کوئی عمل کرتے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ ہاں اے اللہ کے رسولؐ، اس نے ایک رات خدا کی راہ میں پاسبانی کی تھی۔ آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اسی موقعہ پر آپ نے وہ بات فرمائی جو یہاں نقل کی گئی ہے۔

تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں سوال فطرت کے بارے میں ہوگا۔ اصل اہمیت فطرت یعنی اسلام کی ہے، جس کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔ اعمال کتنے ہی اچھے ہوں اگر وہ اسلام کے بغیر ہوں تو ان کا خدا کی نگاہ میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ فطرت تمھاری نگاہ سے اوجھل نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اعمال کو اس طور پر دیکھنے کے خوگر ہو جاؤ کہ فطرت نظر انداز ہو جائے۔ یہ ظلم ہوگا۔ کبھی راکھ کے اندر بھی چنگاریاں ہوتی ہیں۔ اس کو نہ بھولو۔ تمھاری ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے ایمان واسلام کے محافظ بنو۔ کوئی اگر فطرت سے برگشتہ ہے تو وہ روح زندگی سے محروم ہے، اسے زندگی دینے کی کوشش کرو۔ اور اگر کہیں زندگی موجود ہے تو اس سے انکار نہ کرو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَاسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْسُبُ اَحَدًا اِلَّا اِلَى الدِّيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دین کے سوا کسی اور کی طرف کسی شخص کو منسوب فرماتے نہیں سنا۔“

تشریح: یعنی آپؐ نے کبھی قومی و نسلی یا وطنی تفاخر کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ دین کا شرف اتنا بڑا ہے کہ اس کے آگے ساری ہی چیزیں ہیچ ہیں۔ ہر کام میں دین ہی آپ کے پیشِ نظر ہوتا۔ کسی کو اگر آپؐ نے صدیق یا فاروق ابوالمساکین، یا ذوالجناحین یا سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا تو اس سے اپنے رفقاء کار کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اسلامی اقدار کو تقویت پہنچانا ہی آپؐ کا مقصود رہا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: اِبْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِىْ اَمْلَاءُ صَدْرَكَ غِنًى وَ اَسُدُّ فَقْرَكَ وَ اِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدُّ فَقْرَكَ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ”ابن آدم، تو میری عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لے میں تیرے سینے کو استغناء سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و احتیاج کے راستے کو بند کر دوں گا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے ہاتھ کو (دنیا کے) مشاغل سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و افلاس کو بھی نہیں روکوں گا۔“

تشریح: یعنی میری بندگی اور میری عبادت کا تجھے یہ نقد صلہ ملے گا کہ تو غیر اللہ سے بے نیاز ہو جائے گا۔ تجھے غیر اللہ کی پروانہ ہوگی۔ علم و معرفت کی وجہ سے تو غنی ہو جائے گا۔ تیرے رزق میں برکت ہوگی۔ تو کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا۔ تیرے وقار اور عزت کا میں محافظ ہو جاؤں گا۔ تھوڑے رزق میں بھی تجھے ایسی آسودگی حاصل ہوگی جو کسی دولت مند کو اپنی پھیلی ہوئی دولت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور اگر اپنے رب کی عبادت اور بندگی سے بے پروا ہو کر مشاغلِ دنیا ہی میں لگا رہا تو بس تو دنیا کا ہو کر رہے گا جس سے کبھی تجھے فراغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پریشان اور سرگرداں ہی رہے گا۔ تیری بھوک اور ہوس کبھی نہ جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ دنیا سمیٹنے کی فکر میں اپنے دل کا اطمینان و سکون کھو بیٹھے گا۔ حقیقی راحت و سکون کی زندگی تجھے میسر نہ آ سکے گی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِی اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَّنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امْرَاَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَهٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِبَادَةً یَجِدُ حَلَاوَتَهَا۔ (احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلم کی نگاہ کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی بار پڑتی ہے پھر وہ غضِ بصر سے کام لیتا ہے تو لازماً خدا اس کی خاطر ایسی عبادت پیدا فرماتا ہے کہ وہ اس کی حلاوت کو پاتا ہے۔''

تشریح: اتفاق سے اگر کسی عورت کے حسن و جمال پر نگاہ پڑ گئی تو دوبارہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنی نگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنی نگاہ کی حفاظت کرتا ہے تو خدا اسے حسنِ ظاہر کی لذت سے بڑھ کر نعمت بخشتا ہے۔ جس کی حلاوت ولذت کو وہ محسوس کرتا ہے۔ یعنی حسنِ ظاہر سے آگے کا اسے تجربہ کراتا ہے، حسنِ ظاہر سے آگے کی چیز اس کے حصہ میں آتی ہے جو حسنِ ظاہر کے تجربہ سے کہیں زیادہ معتبر اور لذت بخش ہوتی ہے۔ اس حدیث میں عبادت سے مراد معرفت ہے۔ جیسا کہ اس کی تصدیق ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے اپنے نمائندے کو ایک مقام پر روانہ کرتے ہوئے فرمایا: اَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ عِبَادَةِ اللّٰهِ فَاِذَا عَرَفُوْ اللّٰهَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَةَ صَلَوٰتٍ فِیْ یَوْمِهِمْ وَ لَیْلَهُمْ (مسلم) ''سب سے پہلے انھیں خدا کی عبادت کی دعوت دینا پھر جب وہ خدا کو پہچان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ عزوجل نے ان پر ان کے روز و شب میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں یعنی سب سے پہلے انھیں خدا کی پہچان کرانا جب وہ خدا کو پہچان لیں (عرفو اللّٰہ) تب پانچ وقت کی نمازوں کی انھیں تلقین کرنا۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّمَا النَّاسُ کَالْاِبِلِ الْمِأَةِ لَا تَکَادُ تَجِدُ فِیْهَا رَاحِلَةً۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کا حال بس ایسا ہی ہے جیسے سو اونٹ میں بآسانی کوئی ایک اونٹ بھی سواری اور بار برداری کے لائق نہیں ملتا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ اعلیٰ صلاحیت اور اونچے درجے کے لوگ ہمیشہ تعداد میں کم پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دینے سے آدمی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ تمنا کہ سارے ہی لوگ یکساں طور پر بلند، جاں باز، ایثار پیشہ، اور اعلیٰ فہم و بصیرت کے مالک ہوں ناسمجھی کی بات ہے۔ البتہ ایسا بھی نہ ہو کہ سماج اعلیٰ قسم کے افراد سے بالکل ہی خالی ہو۔ اگر اوسط درجہ کے لوگ

سماج میں اچھی تعداد میں موجود ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ سماج ترقی یافتہ ہے، یہ تو ممکن ہی نہیں کہ سماج میں کمزور لوگ پائے ہی نہ جائیں۔

〈۶〉 وَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ اٰوٰی ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَمْ یُعَرِّفْهَا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بھٹکے ہوئے جانور کو رکھ لیا وہ خود بھٹکا ہوا ہے جب تک کہ وہ اس کی پہچان نہ کرائے۔“

تشریح: اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا میں سب سے بڑا نقصان مال و دولت اور جائداد کا نقصان نہیں بلکہ شخصیت کا نقصان ہے۔ کوئی اگر بڑے سے بڑا مادّی فائدہ اپنی شخصیت کو مجروح کر کے حاصل کرتا ہے تو وہ گھاٹے کا سوداگر ہے۔ سب سے قیمتی شے آدمی کے پاس اس کی اپنی شخصیت ہی ہے۔ اس کو نقصان پہنچانے کے بعد وہ ننگ وجود ہو کر رہ جاتا ہے۔ شخصیت کو جہاں غلط عقائد و نظریات تباہ کرتے ہیں وہیں ظلم و ستم، چیرہ دستی، حرص و طمع، بے حیائی، بے وفائی اور بدکاری وغیرہ برے اعمال بھی آدمی کی شخصیت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ بہترین زندگی کی تعریف یہ ہے کہ آدمی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو اور اس راہ کا مسافر ہو جو اسے خدا سے ملانے والی ہو اور جس کو اختیار کیے بغیر تکمیل حیات کا ہم تصور نہ کر سکیں۔ کسی کے جانور کو جو بھٹک کر آ گیا تھا کسی نے چپکے سے باندھ لیا اور اعلان نہ کرایا کہ جس کا جانور ہو وہ آ کر لے جائے اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ شخص بھی اس جانور کی طرح بھٹکا ہوا ہے جس کو اس نے باندھ لیا ہے۔ اس نے بھٹکے ہوئے جانور کو اپنے قبضے میں کر لیا اور اس کی اسے مطلق پروانہ ہوئی کہ اس سے جانور کے مالک کو نقصان پہنچے گا۔ اس سے بڑھ کر بے حسی اور بے غیرتی کی بات اور کیا ہوگی۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَسْمَآءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا تُوْکِیْ فَیُوْکٰی عَلَیْکِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”روکو مت تم سے روک لیا جائے گا۔“

تشریح: یعنی بخل سے کام نہ لو۔ تمھارے مال میں دوسروں کا بھی حق ہے۔ اگر تم دوسروں کو اس سے محروم رکھتی ہو تو اس کو نہ بھولو کہ تمھیں جو کچھ ملا ہے وہ بخل کی برکت سے نہیں بلکہ خدا کی فیاضی

اور اس کی بخشش سے ملا ہے۔ وہ تمھیں نا اہل اور ناحق شناس سمجھ کر اپنی بخشش سے محروم کر سکتا ہے۔ دانش مندی کی بات یہی ہے کہ زندگی میں فیاضی کی روش اختیار کی جائے اور اس پر قائم رہا جائے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: رَاٰی سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلاً عَلٰی مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت مصعب بن سعدؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ سعد نے گمان کیا کہ انھیں اپنے سے کمتر پر فضیلت حاصل ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمھیں مدد و نصرت اور روزی تمھارے کمزوروں ہی کی وجہ سے ملتی ہے۔''

تشریح: یعنی ضعفاء اور فقراء کے مقابلے میں تمھیں اپنی برتری کا احساس نہ ہونا چاہیے۔ تم اگر شجاعت اور سخاوت کی خوبیاں رکھتے ہو۔ تم اگر دشمنانِ دین سے میدانِ جنگ میں لڑتے اور اپنے مال خدا کی راہ میں اور مساکین پر خرچ کرتے ہو تو اسے نہ بھولو کہ خدا ضعفاء اور کمزوروں اور مجبوروں کا بھی خدا ہے۔ ان کی دعائیں اور درخواستیں خدا کے یہاں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتی ہیں۔ تمھاری روزی اور فتح و کامرانی میں ان ضعیفوں کی برکت اور ان کی دعاؤں کا بڑا دخل ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَّ مَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ رسولِ خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''صدقہ سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی، عفو و درگزر سے کام لینے پر خدا بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور کوئی شخص خدا کے لیے تواضع و انکسار اختیار کرتا ہے تو خدا اسے بلندی و برتری عطا فرماتا ہے۔''

تشریح: صدقہ کرنا، عفو و درگزر سے کام لینا اور تواضع اختیار کرنا اللہ کو بے حد پسند ہے۔ یہ اوصاف ایسے ہیں کہ یہ جس کسی شخص کے اندر موجود ہوں گے اخلاقی لحاظ سے اسے نہایت بلند مقام حاصل ہوگا۔ خدا چاہتا ہے کہ اس کے بندے اخلاقی بلندیوں سے محروم نہ رہیں۔ رہا یہ خیال کہ ان اوصاف کے اختیار کرنے میں نقصانات ہیں تو یہ محض خدشہ ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس زندگی میں صرف مادی اصول کارفرما نہیں ہیں۔ زندگی میں خدا کی سنت بھی کارفرما ہے جسے مادّی قانون معطل نہیں کر سکتا۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ مادی نقطۂ نظر اختیار کرنے کے بجائے مومنانہ نقطۂ نگاہ سے کام لے۔ مومنانہ اوصاف کو اختیار کرنے میں نقصان کے بجائے

فائدے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اوصاف کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتا اور اپنے آپ کو ان خوبیوں سے آراستہ کرنے سے گریز کرتا ہے تو ہر اعتبار سے خسارہ میں رہے گا۔

صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف پہلوؤں سے اس کے مال میں برکت پیدا ہوجاتی ہے۔ صدقہ کرنے سے مال میں پاکی آجاتی ہے۔ پاک اور طیب مال کے استعمال سے ذہن و دماغ کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر غریبوں، مسکینوں وغیرہ کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مال ناپاک رہ گیا تو اس ناپاکی کی نحوست مال کو استعمال میں لانے والے میں بھی نفوذ کرے گی۔ جس کی وجہ سے اس کا دل بھی ناپاک ہوگا اور دماغ بھی۔ وہ شخص ایمانی بشاشت اور طمانیت کی دولت سے محروم رہے گا۔ اس کے علاوہ اس پر خدا کا غضب بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اور اس کا مال بھی تباہ و برباد ہوسکتا ہے۔ اس کی کتنی ہی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس کا پورا امکان رہتا ہے کہ مال کے اکتناز سے عوام میں جو بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے وہ کسی وقت قہر کی صورت میں سرمایہ دار پر ٹوٹ پڑے اور وہ اپنی تباہی کا ہولناک منظر اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لے۔

صدقہ سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور خدا اس مال کو زوال سے بھی محفوظ رکھتا ہے اور اسے ترقی دیتا ہے۔

عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے کسی کے قصور کو معاف کردینا کسی کمزوری کی دلیل ہرگز نہیں ہے۔ اس سے معاف کرنے والے کی عزت گھٹتی نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

تواضع و انکسار شخصیت کے لیے زینت ہے۔ اس سے آدمی کے اندر ایک حسن پیدا ہوجاتا ہے جو اپنے اندر حسنِ ظاہر سے کہیں زیادہ کشش رکھتا ہے۔ تواضع اختیار کرنے سے رتبہ گھٹتا نہیں بڑھتا ہے۔ اس کے برعکس کبر اور غرور کے سبب سے آدمی کی محبوبیت ختم ہوجاتی ہے۔ پھر کسی کو اس سے دل چسپی نہیں ہوسکتی۔ ایسا شخص لوگوں کی نگاہوں میں حد درجہ مبغوض اور قابلِ نفرت ہوتا ہے۔ اللہ کو کبر اتنا ناپسند ہے کہ متکبر شخص ایک نہ ایک دن ذلیل ہوکر رہتا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں اس سلسلہ کی کتنی ہی داستانیں محفوظ ہیں جو ہماری عبرت کے لیے کافی ہیں۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّهٗ لَیَاْتِی الرَّجُلُ الْعَظِیْمُ السَّمِیْنُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یَزِنُ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ اِقْرَؤُا: فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ رسولِ خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”قیامت کے روز ایک بڑا ہی موٹا آدمی آئے گا مگر (خدا کی نگاہ میں) مچھر کے برابر اس کا وزن نہ ہوگا۔ پڑھو (یہ آیت): ”ہم قیامت کے روز انھیں کوئی وزن نہ دیں گے۔“

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ آدمی کا اصل سرمایہ اس کی شخصیت ہی ہے۔ شخصیت کی تعمیر کی طرف سے غفلت سنگین جرم ہے۔ ایمان اور نیک اعمال آدمی کی شخصیت کو نکھارتے اور اسے عظمت سے ہم کنار کرتے ہیں۔ کوئی آدمی باوزن ہے یا بے وزن اس کا فیصلہ اس کے ذریعہ سے ہوتا ہے کہ وہ کس شخصیت کا حامل ہے۔ ظاہری ڈیل ڈول کے لحاظ سے کوئی کتنا ہی بھاری بھرکم کیوں نہ ہو اگر وہ فکر و کردار کے لحاظ سے کوئی عظمت اور بڑائی حاصل نہ کر سکا تو پھر حقیقت کی نگاہ میں اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ جو چیز آدمی کو قعرِ مذلت میں گراتی اور اسے عزت و عظمت سے محروم کرتی ہیں ان میں نمایاں چیز کفر ہے —— پھر آدمی کی عملی گراوٹ اور بدکرداری۔ اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس آیت میں بے وزن لوگوں کی جس بنیادی خرابی کا ذکر کیا گیا ہے وہ کفر ہے۔ پوری آیت یوں ہے: أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلاَ نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا٥ (الکھف:۱۰۵) ”یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا؛ اس لیے ان کے اعمال وبالِ جان ثابت ہوئے۔ ہم قیامت کے دن انھیں کوئی وزن نہ دیں گے۔“